قرآن کا تصورِ نفس

پروفیسر ڈاکٹر فاروق عزیز

Marfat.com

176912

قرآن کا تصورِ نفس

ڈاکٹر فاروق عزیز

ناشر

اسلامک بک سینٹر

نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

2736870-0321-2085624

Marfat.com

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

کتاب کا نام — قرآن کا تصورِ نفس

مصنف — ڈاکٹر فاروق عزیز

سن اشاعت — ۲۰۰۶ء

کمپوزر — کمال کمپیوٹرز اینڈ کوچنگ انسٹیٹیوٹ

ناشر — اسلامک بک سینٹر، اردو بازار کراچی

قیمت — 180/- روپے

Marfat.com

انسان اور نفس دو مختلف چیزیں 37,38,39

نفس بمعنی انسان - ۴۴،۴۵

انسانی زندگی کا مقصد نفس کا توازن
74

انسان اپنے نفس کا ذمہ دار - 76

ایمان کی بدولت نفس کی حفاظت کی تلقین - 79

نفس انسانی ذریعہ آزمائش - 81

کہ انسان اپنی نفس کی استعداد سے زیادہ کا مکلف نہیں
93

کتب علی نفسہ الرحمۃ 126 - اللہ کا نفس ؟

تخلیق ارض وسما - نفس انسانی - 132

صالح نفس کے لیے مفید اور برے اعمال نفس کے لیے نقصان دہ
129 — 31

169 ، 151 ، 14

نفس انسانی اور نفسانی 232

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى
يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ہم عنقریب ان کو آفاق میں اور خود ان کے اپنے نفوس میں
اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا
کہ یہ (قرآن) حق ہے کیا تمہارے لیئے یہ کافی نہیں کہ
تمہارا رب ہر شے پر نگراں ہے۔ (۴۱/۵۳)

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ آغاز

ایسے سوالات جو ہمیشہ سے انسانی تجسس کو دعوت مہمیز دیتے آئے ہیں ان میں سے ایک سوال خود انسانی شخصیت کی نوعیت و ماھیت کا بھی ہے یعنی خود انسان کیا ہے؟ یہ سوال فلسفہ اور تصوف کے چند پسندیدہ سوالات میں ہمیشہ سے شامل رہا ہے۔ ہر عہد کے فلسفی اور صوفی اس حوالے سے اپنی رائے اور تجربات بیان کرتے آئے ہیں تاہم خالصتاً سائنسی انداز میں اس حوالے سے کام گذشتہ صدی سے شروع ہوا جب علم النفسیات کو باقاعدہ علم کی ایک علیحدہ شاخ تسلیم کرتے ہوئے نفسِ انسانی یا انسانی شخصیت پر تحقیقات کا آغاز ہوا۔ جدید علم النفسیات کی نظر چونکہ صرف اس دنیا اور اس دنیا میں انسانی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے اسباب و عوامل تک محدود ہے لہذا وہ جب انسانی شخصیت کا تجزیہ کرتی ہے تو انہی علتوں (Causes) تک محدود رہتی ہے جو ہماری روزمرہ زندگی میں سامنے آتے ہیں اور وہ انہی سے انسانی شخصیت کا تانا بانا بنتی ہے لیکن وہ چونکہ حیات بعد الموت کے تصور سے بے بہرہ ہے لہذا تصویر کا ایک رخ تو سامنے لاتی ہے پوری تصویر کی عکاسی نہیں کر پاتی۔ حیاتِ اخروی تسلیم کرنے کا لامحالہ مطلب اللہ کو تسلیم کرنا ہے جس کی جدید علوم کی ''روشن خیالی'' متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے انسانی شخصیت پر صرف دنیاوی پس منظر میں بحث کی جاتی ہے اور اس حوالے سے جہاں بھی ''خدائی مداخلت'' کا اندیشہ ہو اس سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس قرآن کا انسانوں سے سب سے پہلا اور بنیادی مطالبہ ہی اللہ اور حیات بعد الموت پر ایمان کا ہے۔ اس تناظر میں حیات صرف اس دنیا تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کا

Marfat.com

ں بہت وسیع ہو جاتا ہے۔قرآن اسی تناظر میں انسانی شخصیت کے حوالے سے گفتگو
ہے۔دوسری طرف انسان اورانسانی شخصیت ازروئے قرآن کوئی نظری معاملہ نہیں
لہ اس پر انسان کی انفرادی اوراجتماعی دونوں قسم کی زندگیوں کا انحصار ہے ایسی زندگی جو
نیا سے لیکر روزِ قیامت کے بعد تک کی زندگی پر محیط ہے۔لہذا اس بابت قرآن کی
ں بڑی مکمل اور جامع ہے جس پر اس کتاب میں مرحلہ وار روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی

ی انسانی شخصیت کے لیئے نفس کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور اُم الکتاب کی رو سے
شخصیت دو اجزاء سے عبارت ہے اول انسانی شعور اور دوم وہ نفس جو اللہ تعالیٰ کی
ے سے ہر انسان کو پیدائش کے وقت قطعی متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے۔قرآن مجید
ی کے لیئے نفس کی اصطلاح استعمال کرتا ہے تاہم سیاق وسباق سے اندازہ ہوسکتا ہے
آن مجید کس حوالے سے یا کس تناظر میں بات کر رہا ہے جہاں تک اول الذکر نفس یعنی
شعور کا تعلق ہے اس کی دو سطحیں ہوتی ہیں اوّل حیوانی سطح اور دوم انسانی سطح۔حیوانی
فس کا مطمعِ نظر محض جسمانی تقاضوں کی تکمیل اور حصول لذت ہوتا ہے یہ سطح نفس امارہ
ں ہے۔اس سے بلند سطح انسانی سطح ہے جہاں انسان اپنی جسمانی ضروریات کی تکمیل
بد اعلیٰ مقاصد کے حصول کی جدوجہد کرتا ہے۔جہاں تک انسانی شخصیت کے دوسرے
علق ہے جسے نفس انسانی کہا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر انسان کو متوازن
ں میں عطا ہوتا ہے اور ہر انسان صرف اور صرف اپنے نفس کا مکلّف ہوتا ہے۔انسانی
کا مقصد اس نفسی توازن کو برقرار رکھنا اور مستحکم کرنا ہے اور ازروئے قرآن روزِ قیامت

انسان کی کامیابی یا ناکامیابی کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ انسان اس توازن کو کس حد تک
برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے ایسے لوگ جو یہ توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوں گے
وہ جنتی اور جنہوں نے اس کو قرآنی اصطلاح میں خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہ جانے
والے ہوں گے۔ صرف یہی حقیقت اس تصورِ نفس کی اہمیت واضح کرنے کے لیئے کافی
ہے۔

از روئے قرآن تمام تر انسانی افعال کا اثر اس کے نفس پر ہوتا ہے اعمال صالح سے نفس کا
توازن مستحکم جبکہ ظلم سے اس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ یوں تمام انسانی افعال نفس پر براہ
راست اثر انداز ہوتے ہیں لیکن چند مخصوص اعمال صالح اور اعمال بد ایسے ہیں جن کا قرآن
مجید میں خصوصی تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان افعال پر الگ سے بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح افعال
بد یا ظلم کے نتیجے میں نفس کے توازن کی خرابی ایک خاص حد تک اگر نہ پہنچی ہو تو بازیابی کے
امکانات موجود ہوتے ہیں۔ ایسے طریقے جن کے ذریعے یہ بازآفرینی ممکن ہے قرآن مجید
میں ان کی باقاعدہ صراحت موجود ہے ان کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے تاکہ ایسے نفوس جو اگر
راہ ہدایت پر واپس آنا چاہیں تو قرآن میں بیان کردہ طریقے کے تحت واپس آسکیں۔

یہ نتائج قرآن مجید کی صرف ایک دو یا چند آیات سے اخذ نہیں کیئے گئے ہیں۔ اس حوالے سے
قرآن مجید کی ان تمام آیات کو مجموعی طور پر زیر بحث لایا گیا ہے جہاں نفس کے حوالے سے بلا
واسطہ یا بالواسطہ مباحث ہیں یا جہاں جہاں بھی اس حوالے سے اشارات موجود ہیں۔

قرآن میں نفس انسانی کے متعلق بیان کردہ حقائق کو سمجھنے کے حوالے سے یہ ایک ادنیٰ سی
کاوش ہے جو کسی طرح بھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی اور ظاہر ہے تمام تر سہو و خطا کے

Marfat.com

ری بھی مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اور اس سہو و خطاء کے لیئے میں اپنے رب سے
عفو ہوں وہ یقیناً بہت درگزر کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یہ کوشش ان
م کے حامل لوگوں کے لیئے ہے جو یہ نہیں دیکھتے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں
ا جا رہا ہے۔

گر قبول افتند زہے عز و شرف

ڈاکٹر فاروق عزیز
نگراں شعبہ بزنس ایڈمنسٹریشن
وفاقی اردو یونیورسٹی
گلشن اقبال کیمپس کراچی

فہرست

باب اول: انسانی شخصیت ۱۵

شخصیت کی تعریف، شخصیت کے تشکیلی عوامل، شخصیت کی خصوصیات، شخصیت کے اہم نظریات، فرائیڈ مین کا نظریہء شخصیت، یونگ کا نظریہء ایڈلر کا شخصیت کا نظریہ۔

باب دوم: قرآن کا تصورِ نفس ۳۳

نفس، ازروئے قرآن انسانی شخصیت دو (۲) اجزاء پر مشتمل ہے، انسانی شخصیت کا جزو اول: انسانی شعور، نفس کی اصطلاح بمعنی شعور، نفس کی اصطلاح بمعنی انسانی شخصیت (بہ حیثیت مجموعی)، نفس (شعور انسانی) اور اس کی سطحیں، نفس اور جسم کا تعلق، انسانی شخصیت کا جزو دوم نفس انسانی/ نفس، نفس انسان کے اپنے اختیار سے حاصل کردہ امانت ہے، انسان اپنے نفس پر مکمل قدرت رکھتا ہے، انسان کو نفس متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے، انسانی زندگی کا مقصد نفس کے توازن کو برقرار رکھنا ہے، انسان صرف اپنے نفس کا ذمے دار ہے، اہل ایمان کو نفس کی حفاظت کا حکم، نفس انسانی ذریعہ آزمائش، آزمائش کا مقصد، کسی نفس (انسان) کو اس کی وسعت سے

Marfat.com

زیادہ کا مکلّف نہیں کیا جاتا، نفس امارہ، نفسِ لوامہ اور نفس مطمئنہ، مستقل اخلاقی اقدار کا سرچشمہ صرف قرآن مجید ہے، عملی جانچ، نفسِ لوامہ اصل فریضہ نہیں بھولتا، ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ، ایک سطحی تضاد اور اس کا حل، نفس مطمئنہ، انسانی موت و حیات انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء کی علیحدگی اور ملاپ کا نام ہے، موت کے وقت فرشتہ اجل انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء پر قبضہ کر لیتا ہے، ہر ایک نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر مر نہیں سکتا، اللہ ہر نفس پر نگراں ہے، نفسِ انسانی میں اللہ کی آیات، اللہ انسانی نفس کو بخوبی جانتا ہے، نفس کی اصطلاح اللہ کی ذات کے حوالے سے۔

باب سوم: انسانی افعال اور نفس ۱۲۷

انسانی سعی کا محور اس کا اپنا نفس ہوتا ہے، اعمال صالحہ نفس کے لئے منفعت بخش اور اعمال بد نفس کے لئے ضرر رساں ہوتے ہیں اعمال صالح، اعمال بد، اللہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا، علت تخلیق ارض وسماء، اعمال کے نتائج مستقبل میں مرتب ہوتے ہیں، روز قیامت ہر نفس کو پورا پورا بدلہ ملے گا۔

باب چہارم: نفس انسانی کو ضعف پہنچانے والے عوامل ۱۴۸

اگر اللہ چاہتا تو تمام نفوس کو ہدایت دے دیتا، تمام نفوس کو ہدایت کیوں نہیں دی گئی؟ تمام تکالیف نفس کی بدی کی وجہ سے آتی ہیں، نفس پر

Marfat.com

آنے والی مصیبت طے شدہ قانون کے مطابق آتی ہے، وہ افعال جو نفس کو ضرر پہنچاتے ہیں، تقلید یا اسلاف پرستی، دنیاوی زندگی کی ہوس، بخل سے نفس کی تباہی، استطاعت ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہ کرنا نفس پر ظلم ہے، اللہ کی حدود سے نکل جانا نفس کے لیئے تباہی ہے، نفس کی خیانت، نفس کی ہلاکت: وہ افعال جو نفس کی ہلاکت پر منتج ہوتے ہیں، دوسروں کا مال باطل طریقوں سے کھانے سے نفس کی ہلاکت، قرآن سے دور رہنا اور دوسروں کو قرآن سے روکنا نفس کی ہلاکت ہے، جہاد سے فرار کے لئے حیلہ سازی نفس کی موت ہے، ہلاکت نفس کی اصطلاح، اصلاح کے معنوں میں، آنحضرت ﷺ کے خصوصی حوالے سے۔

باب پنجم: شیطان اور نفسِ امارہ کا باہمی تعلق ۱۷۸

شیطان، نفسِ امارہ کا منفی کردار، نفس امارہ کے وہ طریقے جن کی مدد سے وہ انسانوں کو راہ ہدایت سے بھٹکاتا ہے، بری باتوں کا حکم دینا، اعمالِ بد کو خوبصورت کر کے دکھانا، نفس خودغرضی کی جانب راغب کرتا ہے، وسوسے پیدا کرنا، نفس (امارہ) عدل سے ہٹا دیتا ہے، نفس (امارہ) اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی پر اکساتا ہے، نفس (امارہ) دنیا کا طالب ہوتا ہے۔

باب ششم: نفس کا احیاء اور نفس کے لئے منفعت بخش اعمال ۲۱۷

نفس کا احیاء، استغفار سے بحالی نفس، وہ افعال جو نفس کے لئے

Marfat.com

منفعت بخش ہیں: انفاق نفس کے لئے بہتر ہے، ھدایت سے نفس کو فائدہ ہوتا ہے، شکر سے نفس کو فائدہ پہنچتا ہے، پاکیزگی اختیار کرنا، اقوام کے نفس اجتماعی کی حیات وموت۔

Marfat.com

باب 1

انسانی شخصیت

انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ لاتعداد مخلوقات میں سے ایک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (۱۷/۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ رزق عطا کیا اور اپنی کئی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تخلیق کو جن اوصاف سے نوازا ہے ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ انسانی شخصیت بنیادی طور پر انہی اوصاف کے مجموعے کا نام ہے۔ چونکہ یہ اوصاف ہزاروں کی تعداد میں ہیں لہذا یہ بدیہی طور پر ناممکن ہے کہ ان منجملہ تمام اوصاف کو کسی واحد تعریف میں سمو کر شخصیت کی کوئی جامع تعریف پیش کی جا سکے۔

شخصیت کی تعریف:

مختلف ماہرینِ نفسیات نے شخصیت کی جو تعریفیں پیش کی ہیں ان کی تعداد بھی سینکڑوں تک جا پہنچی ہے اور ظاہر ہے ان میں سے کسی بھی تعریف کو جامع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم آغازِ بحث کی خاطر اور شخصیت کا ایک ابتدائی خاکہ مرتب کرنے کے لیئے چند بالعموم قبول کی جانیوالی تعریفیں ذیل میں دی گئی ہیں۔

Marfat.com

فطری میلانات اور وراثتی صفات کی مکمل تنظیم شخصیت کہلاتی ہے۔ (منیک ڈوگل)

شخصیت ہمارے اس کردار کا مجموعہ ہے جنکے ذریعے ہم زندگی کا آغاز کرتے ہیں اور
کے توسط سے ہم زندہ رہتے ہیں۔ (واٹسن)

شخصیت انسان کی ایک طبعی تصویر ہے جس میں فرد کے تمام پہلوؤں نے مل کر کام
ہے۔ (سائمنڈ)

شخصیت فرد کے ان نفسیاتی طور طریقوں کی تنظیم ہے جو اس کو ماحول میں نمایاں
قت دیتے ہیں۔ (الپورٹ)

فرد کے سوچنے، محسوس کرنے اور عمل کرنے کے مخصوص انداز کو اس کی شخصیت کہا
ہے۔ (مائرز)

عریفات کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شخصیت فرد کی تمام وراثتی اور اکتسابی صلاحیتوں کا
عہ ہے۔ یہ مجموعہ فرد کی ذاتی کوششوں، وراثتی اثرات اور اس ماحول کے اثرات سے
ب پاتا ہے جس میں وہ فرد پرورش پاتا ہے۔ شخصیت بنیادی طور پر ان اوصاف اور
وصیات کے مجموعے کا نام ہے جو ایک فرد کو کسی دوسرے فرد سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ
اف اچھے اور برے دونوں ہو سکتے ہیں اپنے اچھے اوصاف سے ایک شخصیت پسندیدہ
برے اوصاف سے ناپسندیدہ قرار پاتی ہے۔

صیت کے تشکیلی عوامل:

ا کہ عرض کیا گیا کہ شخصیت فرد کی مختلف النوع صلاحیتوں اور اوصاف کا مجموعہ ہوتی
۔ تاہم اس کی تشکیل میں لاتعداد عوامل حصہ لیتے ہیں۔ ان عوامل کو چار بنیادی عوامل میں

Marfat.com

تقسیم کیا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ طبعی عوامل

طبعی عوامل سے مراد انسانی شخصیت کی طبعی خصوصیات ہیں جس میں والدین اور آبا و اجداد کے وراثتی اثرات شامل ہوتے ہیں۔ یہ عامل انسانی شخصیت کے جمالی پہلو کی تشکیل کرتا ہے۔ اس میں انسان کا چہرہ، جسمانی خدوخال غرضیکہ پوری جسمانی ھیئت شامل ہے۔ ایک اچھے طبعی اوصاف رکھنے والی شخصیت نامناسب طبعی اوصاف رکھنے والی شخصیت کی بہ نسبت زیادہ پسند کی جاتی ہے۔

۲۔ ذہنی عوامل

ذہنی عوامل سے مراد انسان کی ذہنی صلاحیتیں، افکار و خیالات اور تخلیقی صلاحیتیں ہیں۔ ان کا شخصیت کی تشکیل میں ایک نمایاں کردار ہوتا ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ ان صلاحیتوں کا حامل ہوگا اتنا ہی معاشرتی لحاظ سے قابل قدر ہوگا اور برعکس صورت میں صورتِ حال برعکس ہو جائے گی۔

۳۔ جذباتی عوامل

انسانی جذبات، انسانی شخصیت کی تکمیل میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں انہیں شخصیت کے بنیادی محرک کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اچھے اور صحت مند جذبات جن میں کام کی لگن آگے بڑھنے کا جذبہ، محنت کی خواہش، محبت، ایثار، لگن، زندہ دلی، خوش اخلاقی، ہمدردی او رواداری وغیرہ ایسے جذبات ہیں جو شخصیت کو ایک تعمیری رخ دیتے ہیں جبکہ منفی جذبات جن میں بغض و عناد، بے مروتی، مایوسی اور نا امیدی، جارحیت، بخیلی، ہوس اور دشمنی وغیر ایسے جذبات ہیں جو انسانی شخصیت کو منفی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ سب سے بہتر اعتدال کی

Marfat.com

ہے یعنی ایسی شخصیت جو موقع محل کے اعتبار سے مناسب جذباتی ردِ عمل کا اظہار کرے
میں افراط وتفریط سے کام نہ لے۔

معاشرتی عوامل

ی عوامل ہیں وہ خارجی اور معاشرتی محرکات شامل ہیں جو فرد کی شخصیت پر اثر انداز
یں۔ ان عوامل میں گھر کا ماحول، خاندانی ماحول، دوست احباب، تعلیمی ادارے اور
ورات وغیرہ شامل ہیں۔ یہ عوامل کسی بھی شخصیت پر ایک گہری چھاپ رکھتے ہیں اور
صیت کی تکمیل میں مختلف حوالوں سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

ت کی خصوصیات:

صیت کئی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے جن میں سے محض چند بنیادی خصوصیات کا
رج ذیل ہے۔

وحدت

صیت بنیادی طور پر ایک وحدت ہے جو بیک وقت مماثل اور متضاد صفات سے
اتی ہے۔ یہ وحدت ایک مخصوص کردار تشکیل دیتی ہے۔ ایک فرد زندگی اور اس
ے معاملات کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نکتہء نگاہ رکھتا ہے اور مختلف حالات و
میں ایک مخصوص طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح ایک مخصوص فکر اور طرزِ عمل
شخصیت وجود میں آتی ہے جو ایک الگ وحدت کی حامل ہوتی ہے۔

حرکی

کی دوسری نمایاں خصوصیات اس کی حرکت پذیری ہے۔ انسانی شخصیت پیدائش
وت تک کسی نہ کسی حوالے سے متحرک رہتی ہے۔ اس حرکت پذیری کی شدت کم وبیش

Marfat.com

ہوسکتی ہے۔انسانی جذبات، خیالات، دلچسپیاں، اقدار، عادات اور محرکات وغیرہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔اس کے علاوہ مختلف النوع آنے والی تبدیلیاں جن میں سماجی، معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں شامل ہیں انسانی شخصیت پر اثر انداز ہوکر اسے تبدیل کرتی رہتی ہیں یا کم ازکم تبدیلی کا محرک ضرور بن جاتی ہیں۔اس طرح انسانی شخصیت مسلسل تبدیلیوں کی زد میں رہتی ہے۔

۳۔ تسلسل

اگرچہ ہمارے اردگرد مختلف النوع تبدیلیوں کا ایک مسلسل عمل جاری ہے اور یہ عمل خاصا ہمہ گیر بھی ہے تاہم اس ہمہ گیر تبدیلی کے عمل میں بھی انسانی شخصیت کا تسلسل ٹوٹتا نہیں ہے۔شخصیت کی جو بنیاد ابتدائی عمر تا جوانی میں رکھ دی جاتی ہے اسمیں جزوی اور مختلف النوع تبدیلیوں کا عمل بھی یقیناً جاری رہتا ہے تاہم یہ تبدیلیاں شخصیت کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل نہیں کرتیں۔انسانی شخصیت کے بنیادی خدوخال بدستور رہتے ہیں۔زندگی میں کئی مختلف قسم کے موڑ، پیچ وخم اور اتار چڑھاؤ آتے ہیں ان سے کوئی مفر نہیں لیکن ان تمام عوامل کے باوجود شخصیت کا جوہر تبدیل نہیں ہوتا۔اس کی مثال دریا سے دی جاسکتی ہے جو کئی مختلف علاقوں سے گزرتا ہے ان میں پہاڑ، سطح مرتفع اور میدانی علاقے وغیرہ شامل ہوتے ہیں لیکن دریا کا بہاؤ قائم رہتا ہے۔

۴۔ پیشن گوئی

یہ خصوصیت تیسری خصوصیت سے ہی متصف ہے جب یہ امر طے شدہ ہے کہ انسانی شخصیت ایک مسلسل تسلسل برقرار رکھتی ہے تو اس بنیاد پر کسی مخصوص انسانی شخصیت کے طرز عمل کے

Marfat.com

یے کے بعد یہ کہنا بڑی حد تک ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ مخصوص شخصیت چونکہ اس مخصوص طرز
کی مالک ہے لہذا وہ آئندہ بھی اس قسم کے مواقع پر اسی طرز عمل کا مظاہرہ کرے گی جو وہ
کرتی آئی ہے۔ اگر چہ یہ بہر حال کوئی کلیہ نہیں ہے انسانی طرز عمل کوئی مشین نہیں
جس کے متعلق شرح صدر سے کہا جا سکے کہ وہ ہمیشہ ایک جیسے حالات میں ایک ہی قسم
طرز عمل کا مظاہرہ کرے گی۔ متشنیات کی گنجائش یہاں بہر حال ممکن ہوتی ہے تاہم ایک
ود حد تک اس سے زائد نہیں۔

انفرادیت اور یکسانیت

صیت اپنی ایک انفرادیت اور یکسانیت رکھتی ہے۔ اسے یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر
ں اپنی چند خصوصیات میں دیگر افراد کی طرح ہوتا ہے لیکن ان میں سے کسی کے جیسا نہیں
۔ وراثتی اور ماحولیاتی اثرات ہر شخص دیگر افراد کی طرح یکساں انداز میں قبول کرتا ہے
م اس کی انفرادیت اور یکسانیت اس حوالے سے ہوتی کہ وہ جن تجربات سے گذرتا ہے وہ
تاً اسی کے اپنے ہوتے ہیں کوئی بھی دیگر شخص بعینہ انہی جیسے تجربات سے نہیں گذر سکتا۔
ں اپنی مخصوص محبتوں، دشمنیوں، غموں اور نفرتوں کا حامل ہوتا ہے جو خالصتاً اس کے اپنے
تے ہیں۔ حتیٰ کے ایک ہی والدین کی اولاد جو ایک ہی ماحول میں پرورش پائی ہو یا ایک ہی
سے متعلق افراد بھی اپنی انفرادیت نہیں کھوتے یہ انفرادیت شخصیت کا مخصوص خاکہ ہے۔

وراثت اور ماحول

ت اور ماحول دو الگ الگ عوامل ہیں جو شخصیت کی نمایاں خصوصیات میں شامل ہیں۔
ی شخصیت کو وراثت میں ملنے والے خصوصیات صرف وہی نہیں ہوتیں جو والدین سے ملتی

Marfat.com

ہیں بلکہ یہ پیچھے ہمارے آباؤ اجداد تک چلتی ہیں بلکہ اس کی جڑیں انسانی ارتقاء میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ وراثت میں ملنے والی خصوصیات ماحول کے زیر اثر ہوتی ہیں موافق ماحول ملنے کی صورت میں یہ خصوصیات مزید جلا پاتی ہیں اور غیر موافق ماحول کی صورت میں ان کی نشو ونما منفی طور پر متاثر ہوتی ہے۔ وراثت میں ملنے والی جسمانی صفات کا اندازہ ہو سکتا ہے تاہم ذہنی اور اخلاقی صفات کی بابت اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی اس حوالے سے کوئی پیشنگوئی کی جا سکتی ہے۔ اخلاقی صفات بنیادی طور پر تربیت، ماحول، تعلیم، سماجی اثرات اور خاندانی اثرات سے ترتیب پاتی ہیں۔

جہاں تک ماحول کا تعلق ہے اس کا آغاز بنیادی طور پر استقرارِ حمل سے ہی شروع ہوتا ہے۔ رحمِ مادر میں جنین کی نشو ونما ماں کی ذہنی اور جسمانی حالت بچے پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ پیدائش کے بعد وہ ماحول جس میں بچہ آنکھ کھولتا ہے، تربیت پاتا ہے، اس حوالے سے گھر کا ماحول، ماں باپ کے آپس کے تعلقات، دیگر بہن بھائیوں، رشتے داروں، دوست احباب سے تعلقات، ان کا برتاؤ، پھر تعلیمی ماحول، اساتذہ کا رویہ اور اسی طرح سے لاتعداد عوامل ہوتے ہیں جو کسی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ تمام عوامل ایک بے انتہا پیچیدہ عمل اور ردعمل کا سلسلہ ترتیب دیتے ہیں جو انسانی شخصیت پر براہِ راست یا بالواسطہ اثر انداز ہوتا ہے۔

شخصیت کے اہم نظریات:

علم النفسیات میں شخصیت پر بہت کام ہوا ہے اور اس ضمن میں شخصیت کے حوالے سے کئی نظریات پیش کیئے گئے ہیں جن میں شخصیت کے اوصاف کے نظریات، شخصیت کے حرکی

ریات، شخصیت کے وقفی نظریات، شخصیت کے سماجی وقوفی نظریات اور شخصیت کا نظریہ ء
ت وغیرہ شامل ہیں۔

نظر کتاب کا بنیادی مقصد شخصیت کی ساخت اور اس کی نشو ونما کے حوالے سے قرآنی
ات کو پیش کرنا ہے لہذا اس مقصد کے لیئے یہ ضروری ہے کہ قرآنی تعلیمات کو سمجھنے سے
عام مروج ایسے نظریات جو شخصیت کی ساخت اور اس کی نشو ونما سے متعلق پیش کیئے
ہیں انکا ایک اجمالی جائزہ لیا جائے تا کہ اس حوالے سے انسانی فکر اور قرآنی تصورات
مابین فرق واضح ہو سکے۔

یت کی ساخت اور اس کی نشو ونما کے حوالے سے مروج عام نظریات میں سگمنڈ فرائیڈ
کا نظریہ متعدد حوالوں سے نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ یونگ اور ایڈلر وغیرہ
ظریات بھی اس حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں۔ ان مفکرین کے خیالات کا اجمالی جائزہ
جہ ذیل ہے۔

فرائیڈ مین کا نظریہ ء شخصیت

مین کے نظریہ ء شخصیت کی وضاحت تین حوالوں سے کی جاتی ہے۔

ب) شخصیت کی ساخت Structure of Personality

) شخصیت کی نشو ونما Development of Personality

) شخصیات کی حرکیات Dynamics of Personality

الوں کی مختصراً وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

۲۴۲۴۲

الف) شخصیت کی ساخت Structure of Personality

فرائیڈ انسانی شخصیت کو ساخت کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے جو: لاذات (Id)، انا(Ego) اور فوق الانا (Super Ego) کہلاتے ہیں۔ان تینوں حصوں کا اجمالی تجزیہ حسب ذیل ہے۔

۱) لاذات Id

فرائیڈ کے نزدیک یہ وہ لاشعوری قوت ہے جو تمام انسانی صلاحیتوں، قوتوں اور ضروریات کا ماخذ ہے۔یہ ایک قطعی اندھی قوت ہے جس کا مقصد ہر قیمت پر اپنی ضروریات اور خواہشات کی تسکین ہے۔یہی تمام ترجبلتوں، اضطراری حرکات اور جنسی خواہشات کا سرچشمہ ہے۔اس قوت کا عقل وشعور سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔یہ وہ زبردست قوت ہے جو نفسی توانائی کا ذریعہ ہے اور شخصیت کو متحرک و باعمل بناتی ہے۔اس کے بنیادی فرائض میں تحفظ ذات اور جارحیت کا جذبہ شامل ہے۔باالفاظ دیگر یہ وہ ذخیرہ ہے جہاں خواہشات جمع ہوتی ہیں اور یہ قوت انہیں ہر قیمت پر پورا کرنا چاہتی ہے چاہے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔یہ کسی خاص نصب العین یا تنظیم یا وحدت کے زیرِ اثر نہیں ہوتی۔اس کا خارجی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اسی قوت سے انا اور فوق الانا نشو ونما پاتی ہیں۔چونکہ بنیادی طور پر یہ ایک لاشعوری قوت ہے اور جبلی میلانات کے زیرِ اثر ہوتی ہے لہذا اس کا تجزیہ بالواسطہ طریقوں مثلاً خواب، کردار، اضطراری حرکات، روزمرہ کی حماقتوں اور انسانی لغزشوں وغیرہ کی مدد سے کیا جاسکتا ہے۔

۲) انا Ego

اسے شخصیت کی دوسری منزل کہا جاتا ہے جس میں انسان کی اپنی شناخت یا شخصیت کا تصور پیدا ہوتا ہے اور انسان بہ حیثیت شخصیت اپنی الگ پہچان کرواتا ہے۔انا، انسانی خواہشات،

Marfat.com

ؤں، افعال اور کیفیات سے ترتیب پاتی ہے جو عقل و شعور کی کیفیات کی حامل ہوتی ہے
ں امر کا شعور رکھتی ہے کہ لاذات کی اندھی قوت کو کس طرح قابو کیا جا سکتا ہے۔ یہ انسانی
ر کی ابتدائی منزل ہوتی ہے اور خواہشات کو سماجی اور معاشرتی ضوابط کے تحت پورا کرتی
یہ انسانی شخصیت کا وہ حصہ ہوتا ہے جو استدلال سے کام کرتا ہے اور لاذات اور فوق الانا
میان تطبیق پیدا کرتا ہے اور حقیقت پسندانہ نکتہ نگاہ اختیار کرتا ہے۔ یہ لاذات کی انگیخت
اف مزاحمت پیدا کرتی ہے، خارجی دنیا کے حقیقی مطالبات پورا کرتی ہے۔ تجربات کو
ا کر آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرتی ہے۔ یہ حواس کے ذریعے خارجی دنیا سے
ت اکٹھی کرتی ہے۔ اس کا کردار بنیادی طور پر شعوری تاہم جزوی طور پر لاشعوری ہوتا
یہ لاذات کے بیرونی دنیا سے رابطے کا کام انجام دیتی ہے، شخصیت کی حفاظت کرتی ہے
تی اقدار اور سماجی معیارات کی پاسداری کرتی ہے۔ اس نظام کی کمزوری سے شخصیت
راتی علامات پیدا ہونے لگتی ہیں اور وہ تشویش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

فوق الانا Super Ego

شخصیت کی ساخت کا تیسرا نظام ہے۔ یہ بنیادی طور پر انا کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس
ان میں نیک و بد کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ یہ انسانی شخصیت کو برے افعال سے
اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ عقل و شعور کی انتہائی
ہے جسے سماجی شعور کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت سے آگے سے بڑھ کر مثالیت کی جانب
تا ہے۔ یہ اپنے ارتقاء کے ساتھ ساتھ مثبت جبلتوں کو اجاگر کرتا اور منفی پہلوؤں کو
ت ڈالتا چلا جاتا ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں دو ذیلی نفسی قوتیں پیدا ہوتی ہیں

Marfat.com

جنہیں ضمیر (Conscience) اور مثالی انا (Ideal Ego) کہا جاتا ہے۔ اول الذکر کو فوق الانا کا متبادل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا ذاتی معیار ہے جس پر فرد خود اپنی دانست میں اچھے اور برے افعال میں فرق کرتا ہے۔ یہ قوت بنیادی طور پر اعلیٰ اخلاقی اقدار مثلاً عدل و انصاف، نیکی، اچھائی اور محبت وغیرہ کو اجاگر کرتی ہے اور منفی افعال و جذبات مثلاً ظلم، نفرت، تعصب اور دشمنی وغیرہ کو پس پشت ڈالتی ہے۔ جہاں تک مثالی انا کا تعلق ہے اس کا تعلق حقیقت پسندی سے کم اور مثالیت یا کمال پسندی سے زیادہ ہوتا ہے یہ اس مقصد کے لئے جدوجہد بھی کرتی ہے اور ایک مثالی معاشرہ کی تکمیل میں سرگرداں رہتی ہے۔

فرائیڈ کے مطابق انسانی شخصیت کے ان تینوں پہلوؤں میں مستقل جنگ جاری رہتی ہے۔ لاذات جو صرف لذت کی خوگر ہوتی ہے حصول لذت کے لئے کبھی انا پر قابو پا لیتی ہے اور انسان برے افعال کی جانب راغب ہو کر انہیں انجام دینے لگتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات اس جنگ میں انا کا پلہ لاذات کے مقابلے میں بھاری ہوتا ہے انسان بہت سے ایسے افعال جو فوری لذت فراہم کرتے ہیں انا کے زیرِ اثر کرنے سے احتراز کرتا ہے اور فوری تسکین کے حصول کے راہ میں خود رکاوٹ بنتا ہے یا یوں کہہ لیجیئے کہ لاذات کو قابو میں رکھتا ہے۔ بسا اوقات انا اور فوق الانا میں تصادم ہوتا ہے۔ انسان ذاتی نفع کے لیئے دوسروں کو ضرر پہنچاتا ہے اور ضمیر کی آواز دبا دیتا ہے۔ تاہم اکثر ضمیر انا کو قابو میں رکھتا ہے اور انسان کو اچھے افعال کی جانب راغب کرتا ہے اور اگر کسی وقت انسان کوئی فعل بد انجام دے بھی لے تو اسے ندامت کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اپنے آپ کو ملامت کرنا، پچھتاوے کا احساس، دوسروں سے ایسے افعال پر معافی طلب کرنا جس سے انہیں نقصان پہنچا ہو ضمیر کے کام کی مختلف

رتیں ہیں۔

) شخصیت کی نشوونما Development of Personality

ئیڈ کے مطابق انسانی شخصیت کی نشو ونما میں بنیادی کردار جنسی پہلو کا ہے وہ انسانی
یت کی نشوونما کو اسی تناظر میں بیان کرتا ہے۔اس حوالے سے وہ شخصیت کے پانچ نفسی
ں مراحل کا تذکرہ کرتا ہے۔اس ضمن میں وہ ایک خاص نفسی توانائی (Libido) کا
رہ کرتا ہے۔اس سے مراد فرد کی ایسی نفسی توانائی ہے جس سے فرد کی ایسی خواہشات کی
ل ہوتی ہے جس سے فرد میں مسرت اور شادمانی کا احساس جنم لیتا ہے۔یہ قوت جنسی
ت سے پیدا ہوتی ہے اور نشوونما کے مختلف مراحل میں اس قوت کے اظہار کے مقامات
الگ ہوتے ہیں۔اس حوالے سے فرائیڈ کے بیان کردہ پانچ نفسی جنسی مراحل مندرجہ
ہیں۔

ابتدائی دہن مرتکز عہد Oral Stage

فرد کی پیدائش سے لیکر ڈیڑھ سال تک کی عمر پر مشتمل ہوتا ہے جس میں تمام افعال کا مرکز
کا منہ ہوتا ہے اور بچہ منہ سے انجام دینے والے مختلف افعال مثلاً دودھ پینا، کاٹنا اور
نے سے لذت حاصل کرتا ہے۔اس عہد کی تمام سرگرمیوں کا محور لاذات کا نظام ہوتا ہے۔

مبرزی عہد Anal Stage

ڈیڑھ سال کی عمر سے لیکر تین سال تک کی عمر پر محیط ہوتا ہے اس عہد میں بچہ بول و براز
لے حصے سے لذت حاصل کرتا ہے۔

جنسی عہد Phallic Stage

Marfat.com

یہ عہد تین سال کی عمر سے لیکر چھ سال تک کی عمر پر پھیلا ہوا ہوتا ہے اس عمر میں بچہ اپنے جنسی اعضا سے لذت حاصل کرنا شروع کرتا ہے اور جنسی اعضا کی طرف اس کی توجہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ تینوں ادوار قبل تناسلی دور Pre-Genital Stage بھی کہلاتے ہیں۔

۴) اخفا کا دور یا سن بلوغت سے پہلے کا عہد Latency Period

چھ سال سے لیکر بارہ (۱۲) سال تک عمر کے اس عہد میں فوق الانا ترقی کرتی ہے بچہ اپنے اردگرد کے ماحول میں دلچسپی لیتا اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔

۵) تولد و تناسل کا عہد Genetal Stage

بارہ (۱۲) سال کی عمر سے لیکر بڑھاپے تک محیط اس عہد میں تبدیلیوں کی رفتار نمایاں طور پر تیز ہو جاتی ہے اس عہد میں فرد بالغ ہو جاتا ہے اور جنس مخالف میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

ج) شخصیت کی حرکیات Dynamics of Personality

فرائیڈ کے مطابق مندرجہ ذیل جبلی قوتیں فرد کے کردار کے لئے توانائی مہیا کرتی ہیں۔

۱) زندگی کی تحریک Eros

زندگی کی جبلت کے تحت بھوک، پیاس، ذات کا تحفظ اور جنسی جبلتیں شامل ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم جنسی جبلت ہوتی ہے۔

۲) موت کی تحریک Thanatos

انفرادی سطح پر اس سے مراد ذاتی تباہی یا نقصان، خودکشی اور خود کو ضرر پہچانا ہے جبکہ اجتماعی سطح پر اس سے مراد جنگ، قتل و غارت گری اور نظام کے خلاف بغاوت شامل ہے۔

یونگ کا نظریہ Yung's Theory

یونگ کے نظریے کو بھی تین حوالوں یعنی شخصیت کی ساخت، شخصیت کی اقسام اور شخصیت کی نشوونما کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

28

یت کی ساخت Structure of Personality

کے نزدیک شخصیت مندرجہ ذیل تین نظاموں سے ترتیب پاتی ہے۔

) شعوری انا Conscious Ego

ی انا سے مراد انسان کی شعوری یادیں، خیالات، احساسات اور ادراکات وغیرہ

۔یہ انا ذاتی لاشعور اور اجتماعی لاشعور میں توازن پیدا کرتی ہے۔

) ذاتی لاشعور Personal Unconscious

لاشعور سے مراد افراد کی زندگی کی تلخ اور شیریں یادوں کا ذخیرہ ہوتا ہے اسمیں ذاتی

ت اور یادیں محفوظ ہوتی ہیں۔

اجتماعی لاشعور Collective Unconscious

سے مراد آبا وَ اجداد اور نسل در نسل ورثے میں ملنے والے تجربات، احساسات،

ات اور دیگر نفسیاتی خصوصیات ہوتی ہیں جو ایک فرد کسی گروہ، قبیلے، قوم کا فرد ہونے

اطے وصول کرتا ہے۔یہ شخصیت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔بالعموم مختلف

ں، قبائل، اقوام کا اجتماعی لاشعور یکساں ہوتا ہے۔

یت کی اقسام Types of Personality

نے رویوں کے اعتبار سے شخصیت کو دو (۲) اقسام میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

) اندرون بین Introverts

ون بین سے مراد ایسی شخصیت ہوتی ہے جس کی دلچسپیوں کا محور صرف اپنی ذات ہوتی

ور بیرونی دنیا سے اس کا تعلق کم ہوتا ہے۔اس قسم کی شخصیت کے سماجی تعلقات کم

Marfat.com

ہوتے ہیں اور وہ محفلوں میں جانے سے گھبراتا ہے۔اس قسم کی شخصیت اپنے مفادات کی خوگر ہوتی ہے۔یہ لوگ حال کی بجائے مستقبل میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس کے بارے میں متفکر بھی رہتے ہیں۔

ب) بیروں بین Exteroverts

اس ضمن میں آنے والی شخصیت داخلی کیفیت کی بجائے بیرونی دنیا اور ماحول میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے اُن کی دلچسپیاں اور حلقۂ احباب وسیع ہوتا ہے یہ پُر اعتماد ہوتے ہیں اور اندرون بین کی طرح خودغرض اور مفاد پرست نہیں ہوتے بلکہ ذاتی مفاد کو دوسروں کے مفاد یا قومی اور ملی مفاد پر قربان کر دیتے ہیں اس کے علاوہ یونگ نے افراد کی دیگر حوالوں سے بھی درجہ بندی کی ہے

شخصیت کی نشوونما Personality Development

یونگ کے نظریے کے مطابق شخصیت کی نشوونما کے تین دور ہوتے ہیں۔

الف) بچپن Childhood

یہ شخصیت کی نشوونما کا ابتدائی عہد ہے جو بُنیادی طور پر سیکھنے سے عبارت ہے جسمیں بچہ اپنے اردگرد کے ماحول اور مختلف سماجی، معاشرتی، تہذیبی اور مذہبی اقدار سے واقف ہوتا ہے

ب) نوبلوغت Adolescence

یہ ذہن اور جسم کی پختگی کا دور ہے جس میں فرد اپنی اور دوسروں کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

بلوغت Adulthood

کا تیسرا دور ہے جو تمام عمر پر محیط ہوتا ہے جس میں جذباتی اور فکری لحاظ سے ٹھہراؤ آتا ہے۔

شخصیت کا نظریہ Adler's Theory of Personality

نے اپنے نظریہ شخصیت میں لاذات کی بجائے انا کو زیادہ اہمیت دی ہے اس کے نزدیک
ت کی نشوونما میں سماجی کردار اور بچے کے والدین اور دیگر لوگوں سے تعلقات اہم کردار
تے ہیں اس کے نزدیک شخصیت کی نشوونما تا حیات ہوتی رہتی ہے۔ اس نے اپنے
ے کی بنیاد فرد کے احساس کمتری پر رکھی ہے۔ ایڈلر کے نزدیک ہر فرد پیدائشی طور پر
اور اقتدار کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہ خواہش پیدائش سے لیکر موت تک برقرار رہتی
جو شخصیت کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہوتی وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو
ہے۔ نتیجے کے طور پر احساسِ کمتری کو قابو میں کرنے کا جذبہ سب سے بنیادی تحریک
پر سامنے آتا ہے۔ اس احساسِ کمتری کی شکل کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ اگر فرد زندگی کے
ی شعبے میں کمزوری اور محتاجی محسوس کرتا ہے تو وہ احساسِ کمتری پر منتج ہوتی ہے۔
ے نظریے کے مطابق فرد کی پوری زندگی اپنی کمزوریوں پر قابو پانے میں گذر جاتی ہے اور
پلو سے وہ اپنے آپ کو کمزور محسوس کرتا ہے اسی کو بہتر بنانے کی تگ ودو میں لگا رہتا ہے
حوالے سے بعض اوقات نمایاں کامیابیاں حاصل کر لیتا ہے۔ تاہم اگر ایسا نہ ہو اور اپنی
ی کی تلافی کے لیئے فرد ناقص اور بھونڈی حکمت عملی اختیار کرے اور ناکامیاب رہے تو
رت میں افراد بڑے بھونڈے طریقے سے اپنی کامیابی کا راگ الاپتے ہیں اس صورت
یڈلر کی اصطلاح میں بیش تلافی (Over Compensation) کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

دوسری طرف اگر احساسِ کمتری شدت اختیار کر جائے تو فرد مختلف قسم کے نفسیاتی خوفوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اسے اصطلاحاً ''کمتری کا الجھاؤ'' یا ''احساس کمتری'' (Inferiorty Complex) کہا جاتا ہے۔اس صورت حال میں فرد تشویش کا شکار ہو جاتا ہے۔

انسانی شخصیت کے تعین کے حوالے سے متذکرہ بالا نظریات کے علاوہ بھی کئی نظریات پیش کئے گئے ہیں جو انسانی شخصیت کے مختلف اوصاف کی بنیاد پر شخصیت کی تشکیل کے دعوے دار ہیں جو اصحاب اس حوالے سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس موضوع پر لکھی جانی والی نفسیات کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔یہاں اجمالاً چند نظریات کو سامنے لانے کا مقصد انسانی فکر اور وحی کی تعلیمات کے مابین بنیادی بُعد کو سامنے لانا ہے۔

جہاں تک شخصیت کی ساخت اور اس کی نشو ونما کے حوالے سے مختلف نظریات کا تعلق ہے،ان نظریات کو پیش کرنے والوں کا تعلق خواہ کسی بھی مکتبۂ فکر سے ہو بعض امور ان تمام نظریات میں مشترک ہیں مثلاً:

۱۔ یہ تمام نظریات وحی کی تعلیمات سے یکسر بے بہرہ ہیں لہذا اس تناظر میں انسانی شخصیت کو صرف دنیا تک محدود رکھا جاتا ہے اس حوالے سے حیات بعد الموت یا حیات اخروی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۲۔ چونکہ خدا کا کوئی تصور نہیں لہذا اخلاقی اقدار کا بھی کوئی وجود نہیں اس بنیاد پر اعمال صالحہ اور مبنی پر ظلم افعال اور ان افعال کا انسانی شخصیت پر اثرات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جاتا کیونکہ افعال کی اس قسم کی درجہ بندی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔اس تناظر میں ان وجوہات پر تو بحث ہوتی ہے کہ کوئی انسان چند مخصوص افعال کیوں انجام دیتا ہے؟ یا اس کے

Marfat.com

ات کیا ہوتے ہیں؟ لیکن یہ افعال خود انسانی شخصیت پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں یا
کہہ لیجئیے کہ انسانی افعال خود انسانی شخصیت کی ترکیب پر کیا اثرات مرتب کرتے ہیں
حوالے سے مباحث تشنہ ہیں۔

تمام تر توجہ ان داخلی اور خارجی عوامل پر مرکوز ہوتی ہے جو انسانی شخصیت پر اثر
ز ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے اگر مختلف مفکرین کے نظریات کا جائزہ لیا جائے تو بھی
صورتحال سامنے آتی ہے کہ ایک مفکر چند مخصوص عوامل کو انسانی شخصیت کی بنیاد متصور کرتا
دوسرا چند دیگر عوامل کو اسی طرح دیگر مفکرین اپنے اپنے اعتبار سے مختلف عوامل کو انسانی
یت کی تعمیر کا سبب شمار کرتے ہیں۔

انسانی شخصیت کی مختلف حوالوں سے مختلف النوع درجہ بندی کی جاتی ہے تاہم اس میں
ی ایسی درجہ بندی نہیں کی گئی جس کا تعلق خدا پر ایمان لانے یا نہ لانے سے ہو۔ ایمان بذات
انسانی شخصیت پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے اس حوالے سے مباحث نہ ہونے کے برابر ہیں۔

انسان صرف اپنی دنیاوی معاملات کا کس انداز میں سامنا کرتا ہے اس کے لیئے
پنے موروثی اور خارجی عوامل کے زیر اثر کس قسم کے طرز عمل کا مظاہرہ کرتا ہے بیشتر صورتوں
ی انسانی شخصیت کی گروہ بندی اسی تناظر میں کی جاتی ہے۔

ی صورتحال کے نتیجے میں انسانی شخصیت اور اس کے اعمال وغیرہ کا تجزیہ صرف ایک
صوص تناظر میں ممکن رہ جاتا ہے جبکہ تصویر کا دوسرا رخ جو سب سے اہم ہے وہ نظروں سے
حل ہو جاتا ہے۔ اس پس منظر میں جب ہم قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش
رتے ہیں تو وہ ہمیں ایک جامع اور مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن کی
یم کیا ہے اس پر آئندہ ابواب میں بحث کی جائے گی۔

Marfat.com

باب ۲

قرآن کا تصورِ نفس

نفس

نفس قرآنِ مجید فرقان حمید کی ایک مخصوص اصطلاح ہے۔اس لفظ کا مادہ ن ف س ہے اور یہ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔قرآن مجید میں تقریباً تمام مقامات پر اسے انسانی شخصیت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جسمیں انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلو شامل ہیں۔اسنے شعور، عقل اور قلب (سوچنے سمجھنے کی صلاحیت) کے معنوں بھی استعمال کیا گیا ہے۔باالفاظ دیگر یہ لفظ اس ''شے'' کے لیئے بیشتر مقامات پر استعمال کیا گیا ہے جسے ''میں'' یا ''تم'' یا ''وہ'' کہا جاتا ہے۔یعنی انسانی شخصیت۔اقبال کی اصطلاح میں خودی (Self) یا انا (I-am-ness) یا ہونے کا احساس کہا جاتا ہے۔انسانی شخصیت کے علاوہ یہ لفظ بھائی بند، خون اور سانس لینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کے علاوہ اس کا استعمال وسعت، کشادگی، ایک کش، گھونٹ، طویل چیز، ہلکی اور نرم ہوا کے نکلنے کے معنوں میں بھی کیا جاتا ہے۔

ازروئے قرآن انسانی شخصیت دو اجزاء پر مشتمل ہے

قرآن کی رو سے انسانی شخصیت دو حصوں پر مشتمل ہے قرآن ان دونوں اجزاء کے لیئے نفس کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔شخصیت کا جز اول ''انسان'' یا ''میں'' یا ''انا'' یا اس کا شعور ہے یہ انسان کی شعوری کیفیت ہے جو سوچنے سمجھنے تدبر کرنے کی صلاحیت یا غور و فکر سے

ت ہے جس سے انسان ایک باشعور مخلوق بنتا ہے۔ آئندہ مباحث میں اس جزو کے
'انسان'' یا ''شعور'' یا ''انسانی شعور'' کی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔ از روئے
ن انسانی شخصیت کا ایک دوسرا جزو بھی ہے قرآن اسے بھی ''نفس'' کی اصطلاح سے
ہے تاہم سیاق وسباق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا خطاب کس سے ہے۔
تک اس دوسرے جزو کا تعلق ہے آئندہ مباحث میں اس کے لیئے ''نفس'' یا ''نفسِ
'' کی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔

سے قبل کہ انسانی شخصیت کے ان دنوں اجزاء کی نوعیت و ماہیت پر از روئے قرآن بحث
ناز کیا جائے۔ یہ دعوی بذات خود تصدیق کا طالب ہے کہ از روئے قرآن انسانی شخصیت
زاء کا مرکب ہے لہذا پہلے اس حوالے اس حقیقت کو قرآن مجید سے ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن
و سے انسان دو حصوں سے ترکیب پاتا ہے۔ اس حوالے سے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔
قت کہ انسان دو اجزاء کا مرکب ہے بدیہی طور پر اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت سے متعین
ہ مختلف قوانین تخلیق میں سے ایک قانون کی مطابقت میں ہے جس کے تحت ہر تخلیق
ں کی شکل میں ہوتی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ
وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۶/۳۶)

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیئے ہیں اس میں سے بھی
جس کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفوس میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے
بھی جن کو وہ نہیں جانتے۔

Marfat.com

جس طرح مشیت خداوندی سے متعین کردہ دیگر قوانین میں بھی استثناء کا کوئی تصور نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی یہ ناممکن ہے۔ جب مشیت خداوندی سے یہ بات طے ہوگئی کہ ہر تخلیق جوڑوں کی شکل میں ہوگی تو انسان بھی تو اسی کی تخلیق ہے اور اس پر بھی یہ قانون اسی طرح منطبق ہوتا ہے جس طرح دیگر مخلوقات پر۔

اس آیت کریمہ سے ضمناً ایک نتیجہ یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ ایسی تمام چیزیں جو انسانی علم کے احاطے سے باہر ہیں ان کی تخلیق بھی اسی قانون کے تابع ہے یعنی انہیں بھی جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے لامحالہ یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ ایسی کائناتیں یا ایسی دنیائیں جو انسانی حیطۂ ادراک سے باہر ہیں ان میں بھی انہی قوانین کا جزوی یا کلی طور پر اطلاق ہوتا ہے جو اس کائنات میں لاگو ہیں۔

اس عمومی اصول کو بالخصوص انسانوں کے حوالے سے سورۃ الشوریٰ کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (۴۲/۱۱)

وہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اس نے تمہارے نفس میں سے جوڑے بنائے اور چوپائیوں کے جوڑے وہ تمہیں اس دنیا میں پھیلاتا ہے اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کے الفاظ "جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا" موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے

Marfat.com

سے خصوصی تدبر چاہتے ہیں دیکھئے کیا کہا جارہا ہے "من انفسکم ازواجا" ترجمہ "تمہارے نفوس میں جوڑے" یہ الفاظ صریحاً اس امر کے غماز ہیں کہ ہر انسانی شخصیت جوڑوں کی شکل میں ہے۔ اس پر مہرِ تصدیق سورۃ التکویر کی ابتدائی چودہ (۱۴) آیات ہیں۔ ان آیات میں روزِ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ ان ابتدائی چودہ آیات میں سے پہلی سات (۷) آیات مندرجہ ذیل ہیں:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝

(۸۱/۱-۷)

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور تارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ ہلائے جائیں گے جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی جب وحشی جانور اکھٹے کئے جائیں گے جب دریا آگ ہو جائیں گے اور جب نفوس کے جوڑے ملا دیئے جائیں گے۔

سورۃ التکویر کی ان ابتدائی سات آیات میں اور اس کے بعد آنے والی مزید سات آیات میں بھی روز قیامت برپا ہونے والے مختلف واقعات کا بیان ہے۔ تاہم موضوع زیرِ بحث کے حوالے سے ساتویں آیت پر بالخصوص تدبر لازمی ہے۔ یہاں واضح طور پر کہا جارہا ہے کہ جب نفوس کے زوج (جوڑے) ملا دیئے جائیں گے۔ با الفاظ دیگر روزِ قیامت انسانی شخصیت کے دونوں حصے / اجزاء باہم ملا دیئے جائیں گے۔

آیت (۸۱/۷) میں استعمال کیا جانے والا لفظ "زوج" خصوصی تدبر کا محتاج ہے۔ اس لفظ

Marfat.com

کا مادہ زوج ہے اس کے معنی ان دو چیزوں کے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے مطابق ہوں جس طرح دونوں پاؤں کے جوتے۔ یہ دو چیزیں جو زوج یا جوڑا ترتیب دیتی ہیں باہم متضاد یا مخالف بھی ہوسکتی ہیں جس طرح رات اور دن یہ دونوں مل کر بھی ایک جوڑا بناتے ہیں جسے دن کہا جاتا ہے تاہم یہاں اس کے اجزاء باہم متضاد ہیں۔ زوج اس فرد کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی ساتھی ہو خواہ وہ بعینہ اسی جیسا ہو یا باہم متقابل۔ اسی بنیاد پر ایک ہی قسم کی چیزوں کو ازواج کہا جاتا ہے۔ زوج کے معنی ایسے فرد کے بھی آتے ہیں جس کا کوئی ساتھی یا نظیر و مثیل ہو۔ یہ لفظ دو ساتھیوں میں سے ہر ایک فرد کے لیئے اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح ان دونوں کے لیئے۔ اسی طرح ازواج کے معنی شوہر یا بیوی یا دونوں کے ہیں۔ شوہر بیوی کا زوج ہوتا ہے اور بیوی شوہر کی زوج۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔ تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ زوج سے مراد دو ایسی اشیاء کا جوڑا ہوتا ہے جو باہم مثیل ہوں یا مخالف بھی ہوسکتے ہیں۔ لہذا جب متذکرہ بالا آیت (۸۱/۷) میں یہ کہا گیا کہ نفوس کے جوڑے ملا دیئے جائیں گے تو اس کا لامحالہ مطلب یہ ہے کہ انسانی شخصیت جن دو اجزاء سے مل کر بنتی ہے انہیں باہم ملا دیا جائے گا۔ یہ امر اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی شخصیت دو اجزاء سے مل کر بنی ہے۔

۴) انسانی نفس کے دو اجزاء پر مشتمل ہونے کی مزید تصدیق سورۃ النحل کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا
وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۱۶/۱۱۱)

جس دن ہر نفس اپنے نفس سے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا

پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں بھی آیت کے الفاظ پر غور کیجئے کیا کہا جارہا ہے "کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا" "ہر نفس اپنے نفس سے جدل کرتا آئے گا" آیت کریمہ کے الفاظ اس امر کی کھلی کھلی شہادت ہیں کہ نفس کے دونوں اجزاء کے مابین اس روز جھگڑا ہوگا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ از روئے قرآن انسان دو اجزاء کا مرکب ہے جس پر یہ آیت بین شاھد ہے۔

اس دعویٰ کی تصدیق صرف متذکرہ بالا آیات سے ہی نہیں ہوتی بلکہ اس حوالے سے قرآن مجید کی مزید کئی آیات بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے چند آیات مندرجہ ذیل ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (۵/۲۵)

موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں اپنے نفس کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر ہرگز تصرف نہیں رکھتا اس لیئے تو ہمارے اور فاسقین کے درمیان امتیاز کردے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ پر غور کیجئے "میں اپنے نفس کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر ہرگز تصرف نہیں رکھتا"۔ ان الفاظ سے واضح ہے کہ میں (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور ان کا نفس الگ الگ ہیں اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو اس تمیز کو روا رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اسی طرح سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ (۵/۱۰۵)

اے اہل ایمان! اپنے نفوس کی حفاظت کرو۔

Marfat.com

یہاں بھی واضح طور پر اہل ایمان الگ ہیں اور ان کے نفوس الگ اور اہل ایمان کو اپنے نفوس کی حفاظت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس حفاظت سے کیا مراد ہے؟ اس پر بحث اسی باب میں آگے بہ عنوان ''اہل ایمان کو نفس کی حفاظت کا حکم'' کے تحت کی گئی ہے۔ اس حوالے سے سورۃ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات بھی دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں جہاں ارشاد ربانی ہے

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ (۶/۹۳)

اور کاش تم ان ظالم لوگوں کو اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختیوں میں ہوں اور ملائکہ (یہ کہتے ہوئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنے نفوس۔

اس آیت پر تدبر سے بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جب ظالم لوگوں پر نزع کا وقت آتا ہے اور فرشتے انہیں موت دینے لگتے ہیں تو یہ نہیں کہا گیا کہ وہ (فرشتے) ظالم لوگوں کو موت دیتے ہیں بلکہ قرآن کے الفاظ پر غور کیجئے ملائکہ ان سے کہتے ہیں کہ ''اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (نکالو اپنے نفوس) یعنی ''ظالم لوگوں'' سے یہ کہا جا رہا کہ ''اپنے نفوس'' نکالو۔ یہاں پھر اس حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ لوگ الگ ہیں اور ان کے نفوس الگ۔

(۴) اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت بھی اسی حوالے سے پیش کی جا سکتی ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۠ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ (۱۷/۷)

اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے نفوس کے لیئے کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہارے نفوس پر ہوگا۔

Marfat.com

یت بھی اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے آیت کے الفاظ پر غور کیجئے دیکھیئے کیا کہا جا رہا
اگر "تم" نیکی کرو گے تو "اپنے نفوس" کے لئے کرو گے اور اگر "تم" بدی کرو گے تو اس کا
س" تمہارے نفوس" پر ہوگا۔ یہاں پھر انسان الگ ہیں اور ان کے نفوس الگ۔
رۃ مومن میں خدائے علیم وخبیر کا ارشاد پاک ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ
أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ○ (۴۰/۱۰)

اور کافروں کو کہا جائے گا آج تم جتنا اپنے نفوس کو نفرت سے دیکھتے ہو اللہ کی تم
سے نفرت اس سے زیادہ ہے اور جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم
کفر کرتے تھے۔

یت پھر اس امر کی تصدیق کر رہی ہے کہ انسان اور اس کا نفس الگ الگ ہیں۔ یہاں
طلب امر یہ ہے کہ روزِ قیامت ''کفار'' کی اپنے نفوس سے نفرت کا بیان دیا گیا
۔ظاہر ہے اگر کفار اور ان کا نفس ایک ہی چیز ہوتے تو کفار کی اپنے نفوس سے نفرت کے
ی معنی نہیں رہتے۔
ضمن میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات بھی اہم ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○
وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○ (۵۱/۲۰-۲۱)

اور زمین میں یقین رکھنے والوں کے لیئے بہت سی آیات ہیں اور تمہارے اپنے
نفوس میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔

آیات میں توجہ طلب امر یہ ہے کہ خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے کسی خاص گروہ/

Marfat.com

قوم/امت سے نہیں۔ یہاں انسانوں کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے نفوس میں حق تعالیٰ کی کئی نشانیاں ہیں۔ یہاں بھی واضح طور پر انسانوں اور ان کے نفوس میں باقاعدہ تخصیص کی گئی ہے۔

۸) اس حوالے سے مزید کئی آیات بھی پیش کی جا سکتی ہیں جہاں یہ تخصیص واضح طور پر روا رکھی گئی ہے مثلاً ''اپنے نفوس کو پاک قرار مت دو'' (۵۳/۳۲)، ''تم نے اپنے نفوس کو خود عذاب میں ڈالا ہے'' (۵۷/۱۴)، ''اللہ کے راستے میں اپنے اموال اور نفوس سے جہاد کرو'' (۶۱/۱۱) ''اپنے اہل کو بھی اور اپنے نفوس کو بھی جہنم سے بچاؤ'' (۶۶/۶)، ''ہم خود اپنے نفوس کے خلاف گواہی دیتے ہیں'' (۶/۱۳۰)، انہوں نے اپنے نفوس کے خلاف گواہی دی'' (۶/۱۳۰)، ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفوس پر ظلم کیا'' (۷/۲۳)، ''وہ اپنے نفوس کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے'' (۲/۹)، ''وہ خود اپنے نفوس پر ظلم کر رہے تھے'' (۲/۵۷)، ''وہ امر بہت برا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے نفوس کو بیچ رکھا ہے'' (۲/۹۰)۔ ان آیات کے علاوہ (۲/۱۰۲)، (۲/۱۰۹)، (۲/۲۶۵)، (۳/۱۱۷)، (۳/۱۳۵)، (۴/۶۴)، (۴/۶۵)، (۴/۹۷)، (۴/۱۰۷)، (۴/۱۱۳)، (۵/۷۰)، (۵/ ۸۰)، (۶/ ۱۲)، (۶/ ۲۰)، (۶/ ۲۴)، (۶/ ۲۶)، (۶/ ۱۲۳)، (۷/ ۹)، (۷/۳۷)، (۷/۵۳)، (۷/۱۶۰)، (۷/۱۷۲)، (۷/۱۷۷)، (۷/۱۹۲)، (۷/۱۹۷)، (۸/ ۵۳)، (۹/۱۷)، (۹/ ۲۰)، (۹/ ۴۲)، (۹/ ۵۸)، (۱۳/۱۶)، (۱۶/ ۲۸)، (۱۶/۳۳)، (۱۶/۱۱۸)، (۱۸/۵۱)، (۲۱/ ۶۴)، (۲۱/۱۰۲)، (۲۲/۱۰۳)، (۲۴/۶)، (۲۵/۲۱)، (۲۷/۱۴)، (۲۹/۴۰)، (۳۰/۸)، (۳۰/۹)، (۳۰/۴۴)، (۳۳/۶)، (۳۴/۱۹)، (۳۹/۵۳)، (۴۱/۵۳)، (۴۲/۴۵)، (۵۸/۸)، (۵۹/۹)، (۵۹/۱۹)

Marfat.com

وغیرہ میں بھی واضح طور پر انسان اور اس کے نفس میں امتیاز روا رکھا گیا ہے۔
اس امر کی از روئے قرآن تصدیق کے بعد کہ انسانی شخصیت دو حصوں پر مشتمل ہے ذیل میں ان اجزاء کی نوعیت اور ماہیت پر بحث کی گئی ہے۔

انسانی شخصیت کا جزو اوّل: انسانی شعور

جہاں تک قرآن مجید فرقان حمید کا تعلق ہے قرآن مجید نفس کی اصطلاح کو انسانی شعور یا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت یا غور و فکر کے حوالے سے بھی استعمال کرتا ہے۔

نفس کی اصطلاح بمعنی شعور

قرآن مجید میں نفس کی اصطلاح کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور دل کی بات کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت یا شعور کے معنوں میں اس کا استعمال مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے۔

✓ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَ
يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (۱۰/۱۰۰)

کسی نفس کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور وہ اپنا غضب ان لوگوں پر (نازل) کرتا ہے جو عقل رکھتے ہوئے اس سے کام نہیں لیتے۔

اسے قرآن مجید میں ایمان کی دعوت کے لئے کہیں جبر کا سہارا نہیں لیا گیا بلکہ قرآن قدم قدم اس مقصد کے لئے دلائل پیش کرتا ہے لہذا ایمان بالبصیرت لایا جاتا ہے نہ کہ کسی لالچ کے تحت۔ بصیرت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا دوسرا نام ہے لہذا جب اس آیت میں یہ کہا کہ کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک

Marfat.com

کوئی شخص فکر اور تدبر سے کام نہیں لے گا قرآنی دلائل و براھین پر غور نہیں کرے گا ایما
نہیں لاسکتا۔ایمان لانے کے لیئے یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے یہی وجہ ہے کہ آیت ک
دوسرے حصے میں ان لوگوں پر غضب کی بات کی گئی ہے جو فکر و تدبر سے کام نہیں لیتے ا
محض حیوانی سطح پر زندگی گذارتے ہیں۔با الفاظ دیگر یہاں نفس سے مراد انسانی غور فکرا
تدبر کی صلاحیت کا استعمال ہے یا انسانی شعور ہے۔

اسی طرح سورۃ الروم میں نفس کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت یا شعور کے معنوں استعمال کیا گیا ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ
اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّھِمْ لَکٰفِرُوْنَ ○ (۳۰/۸)

کیا ان لوگوں نے اپنے نفوس (دلوں) میں تدبر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کو حکمت سے اور ایک مقررہ وقت کے لیئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کے قائل ہی نہیں ہیں۔

اس آیت میں قطعی واضح اور دوٹوک انداز میں نفس کی اصطلاح کو غور و فکر اور تدبر کی صلاحیت کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔اسی طرح دو مقامات پر نفس کی اصطلاح کو دل کی بات کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِہٖ مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَآءِ
اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ (۲/۲۳۵)

اور عورتوں سے نکاح کی درخواست کے متعلق جو بات تم اشارۃً (ان سے) کہو یا اپنے نفوس میں رکھو اس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں۔

Marfat.com

رح سورۃ بنی اسرائیل میں خدائے علیم وحکیم کا ارشاد پاک ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ (۱۷/۲۵)

جو کچھ تمہارے نفوس میں ہے تمہارا رب اس سے بخوبی واقف ہے اگر تم صالحین میں ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے۔

بالا دونوں آیات (۲/۲۳۵) اور (۱۷/۲۵) میں نفس کو بمعنی قلب (دل کی بات) لیا گیا ہے۔ گویا از روئے قرآن نفس سے مراد انسان کی فکر و تدبر یا سوچنے سمجھنے کی یا شعور ہے۔

بہ معنی انسانی شخصیت (بہ حیثیت مجموعی)

ید میں متعدد مقامات پر انسانی شخصیت کو بہ حیثیت ایک اکائی خطاب کیا گیا ہے اور ں سے پکارا گیا ہے۔ اس حوالے سے چند آیات کریمہ مندرجہ ذیل ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ (۷۴/۳۸)

ہر نفس اپنے کسب (اعمال) کے عوض گروی ہے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ (۸۱/۱۴)

تب ہر نفس معلوم کرے گا کہ وہ کیا لیکر آیا ہے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝ (۸۲/۵)

تب ہر نفس کو معلوم ہوگا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔

Marfat.com

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۝ (۸۲/۱۹)

جس روز کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بھلا نہ کر سکے گا اس روز صرف اللہ کا حکم ہوگا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۳۲/۱۳)

اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں جہنم کو جن وانس سے بھر دوں گا۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵/۲۲)

اور اللہ نے سماوات اور زمین کو بالحق پیدا کیا ہے تا کہ ہر نفس اپنے کسب کا بدلہ پائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نہ صرف متذکرہ بالا آیات بلکہ قرآن مجید میں دیگر کئی مقامات پر بھی انسان کو بہ حیثیت ایک اکائی خطاب کیا گیا ہے مثلاً (۲/۴۸)، (۲/۱۲۳)، (۲/۲۳۳)، (۲/۲۸۱)، (۳/۳۰)، (۳/۱۴۵)، (۳/۱۶۱)، (۳/۱۸۵)، (۶/۱۶۴)، (۱۰/۳۰)، (۱۰/۱۰۰)، (۱۱/۱۰۵)، (۱۳/۳۳) اور (۱۴/۵۱) وغیرہ۔

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں نفس کی اصطلاح کا ایک حوالہ انسانی شعور یا اس کی مکمل شخصیت ہے۔

نفس (شعور انسانی) اور اس کی سطحیں:

شعور کی دو (۲) سطحیں ہوتی ہیں ایک ابتدائی اور دوسری ثانوی۔ ابتدائی سطح سے مراد وہ سطح

Marfat.com

ہے جہاں شعور صرف زندگی کی مقتضایات پورا کرنے تک محدود ہو۔ ان ضروریات میں
ی تقاضوں بھوک، پیاس، جنسی خواہشات کی تکمیل اور تحفظِ ذات کے تقاضوں کی تکمیل
ہے۔ یہ حیوانی سطح ہے جہاں صرف جسمانی تقاضوں کی تکمیل ہی منتہائے نظر ہوتی ہے
سے ماسوا کچھ نہیں۔ شعور کی دوسری یا ثانوی سطح سے مراد وہ سطح ہوتی ہے جہاں فکر و تدبر، فہم
ت حاصل ہوتی ہے اس سطح کی بنیادی خصوصیت قوت اختیار و ارادہ اور اس کا استعمال ہوتا
ابتدائی سطح پر ناپید ہوتی ہے۔ اس امر سے قطع نظر کہ اس عطیۂ خداوندی کا استعمال کس
یا جاتا ہے یہ نعمت بہر حال اس سطح پر حاصل ہوتی ہے۔ شعور کی یہ سطح انسانوں اور جنات
ل ہے ان دونوں انواع کو اختیار و ارادہ کی قوت دی گئی ہے۔ اور یہ انواع اپنے جسمانی
ں کی تکمیل کیساتھ فکر و تدبر اور قوت فیصلہ کی خصوصیات کی بھی حامل ہیں جو شعور کی ایک
ح ہے۔ انسانوں کے حوالے سے جب انسان اس ابتدائی سطح کے تقاضوں کی تکمیل کرتا
سے نفسِ امارہ کہا جاتا ہے جو محض اس ابتدائی سطح کے تقاضوں کی تکمیل پر محیط ہوتا ہے۔ اسے
ور صرف حیوانی تقاضوں کی تکمیل کی فکر ہوتی ہے اس مقصد کے لیئے وہ جائز اور
لال یا حرام کے تقاضوں سے ماوراء صرف لذت کے حصول کا متلاشی ہوتا ہے چاہے
یسے ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ اگر ایک انسان صرف ان تقاضوں کی تکمیل تک اپنے
دود کر لے تو وہ یقیناً حیوانی سطح پر زندگی گذار رہا ہوتا ہے۔ جس کا منتہا و مقصود صرف
لذت دنیا ہوتی ہے اس سے ماسوا کچھ نہیں۔ تاہم اگر انسان اس سطح سے اوپر اٹھتا ہے
ی سطح پر پہنچتا ہے جہاں اس کا منتہائے مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ اس
ے لیئے وہ ان احکامات و قوانین کی پاسداری کرتا ہے جو اس مقصد کے لیئے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے قرآن مجید میں بیان کئے ہیں یہاں وہ اپنے جسمانی تقاضوں کی تکمیل بھی اللہ کی متعین کردہ حدود میں کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مرحلہ آجاتا ہے جسے قرآن نے نفس مطمئنہ کہہ کر پکارا ہے یعنی وہ مرحلہ جب انسان اپنے رب سے اور رب اپنے بندے سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے مزید بحث اسی باب میں بہ عنوان ''نفس امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ'' کے تحت آگے کی گئی ہے۔

نفس اور جسم کا تعلق

شعور خواہ وہ کہیں بھی ہو کسی بھی سطح پر ہو اپنے اظہار کے لیئے کسی نہ کسی جسمانی ہیئت کا متقاضی ہوتا ہے اس حوالے سے متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں

آ) ازروئے قرآن یہ کائنات باشعور ہے نہ صرف یہ کہ باشعور ہے بلکہ اللہ نے اسے اختیار اور ارادہ کی صلاحیت بھی دی ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝ (۴۱/۱۱)

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین دونوں کو نہ صرف شعور عطا کیا ہے بلکہ انہیں اختیار اور ارادہ کی دولت سے بھی نوازا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اور آسمان اور زمین کے مابین جس مکالمے کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے وہ ممکن ہی نہ تھا۔

Marfat.com

یہاں شعور کا ظہور آسمان اور زمین کی شکل میں ہوا ہے۔

تمام نباتات، جمادات وحیوانات بلکہ کائنات کی تمام اشیاء بھی شعور کی حامل ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ (۱۷/۴۴)

تمام آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بے شک وہ بردبار اور غفار ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء خدا کی حمد وثنا کرتی ہیں اور حمد وثنا بغیر شعور کے ممکن نہیں ہے یہ الگ مسئلہ ہے کہ انسان اس حمد وثنا کا شعور نہیں رکھتے۔ یہاں شعور کا قالب اشیاء کائنات ہیں۔

از روئے قرآن جنات ایک مکمل نوع ہیں جن کے نمائندے کی حیثیت سے شیطان کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سامنے لاتا ہے۔ یہ بھی ایک باشعور نوع ہے جس کی تخلیق جلتی ہوئی آگ کے دھویں سے کی گئی (۱۵/۵۵) بہ حیثیت نوع ان میں تولید و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ (۱۸/۵۰) یہ تعداد میں کثرت سے ہیں (۱۷/۶۴) ان کی نوعی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں لیکن انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے (۷/۲۷) ان کی تخلیق انسانوں سے پہلے ہوئی تھی (۱۵/۲۷) ان کو بھی اختیار وارادہ کی قوت دی گئی ہے۔ اسی بنیاد پر جب اللہ تعالیٰ نے جملہ کائناتی قوتوں (ملائکہ) کو انسان کو سجدے کا حکم دیا تو شیاطین نے انکار کر

Marfat.com

دیا(۱۸/۵۰) یہ حکم عدولی اس نوع کی جانب سے نئی نہیں تھی بلکہ یہ نوع پہلے ہی سے کافر تھی (۲/۳۴)۔(ان نکات پر تفصیلی بحث میری کتاب ''ارتقاء حیات از روئے قرآن'' میں ملے گی)۔

تاہم اس امر سے قطع نظر کہ انسان جنات کو نہیں دیکھ سکتے یہ امر طے شدہ ہے کہ یہ ایک باشعور نوع ہے یہاں بھی شعور کسی نہ کسی جسمانی ساخت کا طالب ہے اور جنات (شیاطین) کی جسمانی ہیئت کی طرف قرآن مجید میں واضح اشارات موجود ہیں مثلاً:-

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝
طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ (۳۷/۶۴-۶۵)

وہ ایک درخت ہے (تھوہر کا) جہنم کے اسفل میں سے اگے گا اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔

اس آیت میں واضح طور پر جہنم کے اسفل میں سے اگنے والے ایک مخصوص درخت (تھوہر) کے خوشوں کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ شیاطین کے سروں سے مشابہ ہیں۔بالفاظ دیگر شیاطین بھی ایک مخصوص ہیئت کے حامل ہیں۔اسی طرح سورۃ الکہف میں اس نوع میں تولید وتناسل کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ
رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ
وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ (۱۸/۵۰)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا ماسوا ابلیس

Marfat.com

کے وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا تو کیا تم اس کو اور
اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور
شیطان کی دوستی ظالموں کے لئے (خدا کی دوستی کا) برا بدل ہے۔

جنات کی اولاد ظاہر ہے کسی نہ کسی شکل میں ہی ہوگی لہذا یہ نوع بھی کسی نہ کسی ہیئت کی حامل ہے اور باشعور ہے۔ یہاں بھی شعور ہیئت میں ظاہر ہوا ہے چاہے اس کی نوعیت انسانی فہم وبصیرت سے ماوراء ہی کیوں نہ ہو۔

ازروئے قرآن زمین پر حیات کوئی عجوبہ نہیں ہے نہ ہی انسان اس زمین پر کوئی پہلی باشعور مخلوق ہے بلکہ انسانوں سے پہلے بھی اس زمین پر متعدد باشعور انواع پیدا ہو کر ختم ہو چکی ہیں اور انسان انہی ناپید ہو جانے والی انواع میں سے ایک مخلوق جو ازروئے قرآن اس زمین پر رہنے کی سب سے زیادہ اہل تھی اس کا جانشین ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''ارتقائے حیات ازروئے قرآن'')۔ ان ختم ہو جانے والی انواع کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ زمین پر اپنے آثار بنانے میں بہت ماہر تھے باالفاظ دیگر مختلف قسم کی تعمیرات میں لاجواب تھے اور تعمیر پھر شعور کی محتاج ہوتی ہے لہذا لامحالہ ان ختم ہو جانے والی انواع میں بھی شعور موجود تھا اور یہ انواع بھی کسی نہ کسی جسمانی ہیئت کی بھی حامل رہی ہوں گی لہذا یہاں بھی شعور نوعی ساخت کا محتاج ٹھہرا

بعینہ یہی صورتحال نباتات، حیوانات اور انسانوں کے ساتھ بھی ہے۔ نباتات وحیوانات شعور کی پہلی سطح پر ہوتے ہیں۔ انہیں خدا کی حمد وثنا کا شعور دیا گیا ہے تاہم فکر وتدبر اور اختیار وارادہ کے جوہر سے محروم ہیں انسان بہ لحاظِ شعور ان دونوں سے آگے ہے اور ایک باشعور نوع کی حیثیت سے کرہ ارض پر موجود ہے اور چونکہ باشعور ہے لہذا یہ شعور بھی کسی نہ کسی

Marfat.com

جسمانی ھیئت کا محتاج ہے جوانسانی جسم کی شکل میں ظہور کرتا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ شعور جب کسی بھی نوع کے جسم میں ظہور کرتا ہے تو دونوں میں کوئی خطِ امتیاز کھینچا جانا ممکن نہیں رہتا۔ یہ تصوف کی اصطلاح میں من تو شدی تو من شدی کی صورت حال ہوتی ہے۔ جسم کے کسی بھی حصے پر لگنے والی چوٹ خواہ وہ معمولی ہو یا شدید اس کا اثر شعور محسوس کرتا ہے اور تمام شعوری کیفیات جسم پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہیں چاہے شعور کی سطح کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شعور کی کسی بھی سطح پر، جسم اور شعور کی ہم آہنگی ہمیشہ انسب سطح پر ہوتی ہے۔ اس کی مثال اس طرح سے دی جاسکتی ہے کہ فرض کیجیئے ایک خاص مقام پر ایک پتھر موجود ہے یہ پتھر چونکہ جامد ہے لہذا اس میں مخفی توانائی (Potential Energy) موجود ہوگی۔ جو اس کے پورے وجود میں سرائیت کیئے ہوئے ہے۔ یہاں یقیناً اس پتھر کے کسی خاص نقطے کی نشاندھی کر کے یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس کی مخفی توانائی اس خاص نقطے یا کسی دوسرے خاص نقطے پر مرتکز ہے۔ وہ اسی پتھر کے پورے وجود کا حصہ ہے اب اگر اسی پتھر کو حرکت دی جائے تو اس پتھر کی مخفی توانائی، حرکی توانائی (Kinetic Energy) میں تبدیل ہو جائے گی اور جب تک وہ پتھر حرکت کرتا رہے گا اس کی حرکی توانائی استعمال ہوتی رہے گی اور جب وہ دوبارہ ساکن ہو جائے گا تو اس کی حرکی توانائی پھر دوبارہ اس کی مخفی توانائی میں تبدیل ہو جائے گی۔

یہی مثال شعور اور جسم کے باہمی تعلق پر صادق آتی ہے۔ شعور بنیادی طور پر ماسوا توانائی اور کچھ نہیں ایک ایسی توانائی جو فہم وادراک کی خصوصیات سے متصف ہے۔ بظاہر یہ بات بعید از عقل و قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت ایسا ہی ہے۔ مقام تدبر یہ ہے کہ خود خالق کائنات، ذاتِ برحق نے قرآن مجید میں اپنا تعارف کن الفاظ میں کروایا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ
فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا
كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ
وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ
عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(۲۴/۳۵)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارہ ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے (تو بھی) جلنے کو تیار ہے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کو سمجھانے کے لیئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو زمین اور آسمانوں کا نور قرار دیا ہے۔ نور ہر قسم کی روشنی (توانائی) کو کہا جاتا ہے۔ جب خالق کائنات کا خود اپنے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اس کائنات کا نور یا توانائی ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ توانائی باشعور نہیں ہو سکتی؟ یہاں ایک امر اور بھی قابل توجہ ہے کہ انسان، شعور کی موجودہ سطح پر اللہ کی ذات و ماہیت کی بابت کچھ نہیں جان سکتا یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ انسان کو اتنا شعور ہی نہیں دیا گیا ہے۔ لیکن روزِ قیامت جب حیات دوبارہ ملے گی تو یقیناً جسمانی اعضا تو یہی ہوں گے جن سے انسانی جسم

Marfat.com

عبارت ہے اس حوالے سے کئی قرآنی آیات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جہاں روز قیامت اور اس کے بعد جنت اور دوزخ میں صد فیصد انہی اعضا اور ان کے انہی افعال کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس دنیا میں انسانوں کے ہوتے ہیں یا ان سے جو کام ہم لیتے ہیں مثلاً جنتیوں کے متعلق متعدد مقامات پر آنکھوں کی ٹھنڈک، انواع واقسام کی غذاؤں وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے اسی طرح دوزخ میں شدید گرم پانی پینے کو ملنے کا تذکرہ ہے آگ سے مختلف جسمانی اعضاء کے جلنے وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ جسمانی نوعیت بہر حال اس زندگی کی نہیں ہوگی ورنہ جہنم میں مسلسل جسم کے جلنے اور مختلف النواع اذیتوں کو ہماری موجودہ جسمانی ہیئت یقیناً برداشت نہیں کر سکتی۔

اس امر کی شہادت سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۹۸ سے ہوتی ہے جہاں ارشادِ ربانی ہے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ○ (۱۷/۹۸)

یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور یہ کہنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ریزے ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئی مخلوق کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔

لیکن توجہ طلب امر یہ ہے کہ جب انسان کی جسمانی نوعیت تبدیل ہوگی تو اسے ایک نعمت اور بھی ملے گی اور وہ باری تعالیٰ کی دید کی سعادت ہوگی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○
اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (۷۵/۲۲-۲۳)

اس روز بہت سے چہرے پر رونق ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

Marfat.com

وع زیر بحث کے حوالے سے اصل نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کو باری تعالیٰ کی دید کی
وت نصیب ہوگی تو ذاتِ باری تعالیٰ یقیناً کسی نہ کسی خاص شکل یا ہیئت میں ہوگی جبھی تو
ان اسے دیکھ سکیں گے ورنہ ایک ایسی ہیئت جو ہمہ اطراف بکھری ہوئی ہوا سے دیکھنا
ن نہیں۔ اب اگر ایسا ہے جس کے نہ ہونے میں کوئی امر مانع نہیں کیونکہ خود قرآن اس پر
عد ہے تو اس کا لامحالہ مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی ذات کی بھی کوئی نہ کوئی ہیئت لازمی ہونی
ہیئے اور یہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ اللہ اس کائنات کا نور ہے لہذا لامحالہ یہ نور یا اللہ کی
ت بھی کسی نہ کسی حوالے سے ہیئت کی حامل ہونی چاہیئے۔ تو جب اللہ کی ذات کسی نہ کسی
لے سے اگر کسی ہیئت کی حامل ہے تو انسان جو اس منبع نور و حکمت سے متصف انتہائی
ذرہ ہے اس کا شعور بھی جسمانی ہیئت کا محتاج ہوگا جو اس کا جسم ہوتا ہے اور یہ باشعور
ائی ہے۔ اس کا مزید ثبوت سورۃ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ملتا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۲/۲۸)

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اسی نے تمہیں زندہ کیا پھر
تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

آیت میں انسانی حیات کی پوری ترتیب کا بیان دیا گیا ہے۔ پہلے انسان مردہ ہوتا ہے
سے زندگی ملتی ہے پھر مر جاتا ہے اور پھر اسے روزِ قیامت دوبارہ زندگی ملے گی۔ تاہم
طلب امر یہ ہے کہ موجودہ زندگی سے قبل جب حیات یا شعور کا کوئی وجود نہیں ہوتا تو اس
تعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دیتا ہے بلکہ یہ کہا گیا کہ اس حیات سے
تم مردہ تھے۔ کنتم امواتا (تم مردہ تھے) با الفاظ دیگر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں ہمارا

Marfat.com

وجود ضرور تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ الفاظ لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی براہِ راست یہ کہا جا سکتا تھا کہ اللہ نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اور حیات دی لیکن ایسا نہیں کہا گیا۔ اور حیات سے پہلے مردہ حالت میں ہی سہی انسانی وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی تناظر میں پتھر والی مثال دوبارہ ذہن میں لایئے پتھر اپنی جگہ موجود تھا یہ انسان کی حیات سے پہلے کی صورتحال ہے جب انسان کو کسی قسم کا کوئی شعور نہ تھا تاہم جب پتھر کو حرکت میں لایا جاتا ہے تو اس کی مخفی توانائی اس کی حرکی توانائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بعینہ یہی صورتحال حیاتِ انسانی کے ساتھ بھی ہے۔ پتھر کو حرکت میں لانے کے لیئے کسی نہ کسی خارجی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ حرکت میں آ سکے لامحالہ یہی صورتحال انسان کے ساتھ بھی ہے اس مردہ انسان کو جس میں کوئی شعور نہیں با الفاظ دیگر کوئی حرکت نہیں اسے حرکت میں لانے کے لیئے کسی نہ کسی خارجی ذریعے کی ضرورت ہے۔ پتھر کی صورت میں تو یہ خارجی طاقت کوئی بھی ہو سکتی ہے تاہم انسان کی اس مخفی توانائی کو حرکی توانائی میں بدلنے کا واحد ذریعہ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے جیسا کہ اس آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے "اس نے تمہیں زندہ کیا" با الفاظ دیگر انسان کی مخفی توانائی کو حرکی توانائی میں بدلنے کے لیئے جس خارجی ذریعے کی ضرورت ہے وہ صرف اور صرف اللہ کی ذاتِ واحد ہے اس کے علاوہ کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے۔ اور یہ وجود باری تعالیٰ کی بذاتِ خود ایک دلیل بھی ہے۔ اسی طرح جب پتھر حرکت میں آتا ہے تو وہ اپنی حرکی توانائی سے حرکت میں رہتا ہے اور جب کسی بھی وجہ سے اس کی یہ حرکت رک جاتی ہے تو اس کی حرکی توانائی پھر مخفی توانائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور وہ پھر جمود یا موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان کو جب اللہ کی ذات

زندگی دیتی ہے تو وہ حرکت میں آجاتا ہے اور وہ تمام افعال انجام دینے لگتا ہے جو زندگی کا
غاصہ تصور ہوتے ہیں۔ تاہم بالکل پتھر کی طرح جو اس وقت تک حرکت میں رہتا ہے
تب تک اس پر خارجی قوت اثر انداز ہوتی رہے انسان بھی اسی وقت تک زندہ رہتا ہے
تب تک اللہ کی مشیت اسے اس کی اجازت دیتی ہے۔ جب اس کی مشیت چاہتی ہے تو
ں کی یہ حرکی توانائی پھر ختم ہو کر جمودہ شکار ہو جاتی ہے جسے انسانی موت کہا جاتا ہے۔ جسے
وزِ قیامت پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ اسی طرح حرکت میں لے آئے گا جس طرح اس نے پہلی
عہ حرکت دی تھی۔

لن یہاں پتھر کی حرکت اور انسانی حیات یا انسانی حرکات (حرکت کی جمع) میں ایک
ایاں فرق ذہن میں رکھا جانا لازمی ہے۔ پتھر کی حرکت کی سمت اور اس کی رفتار کا تعین وہ
ر جی قوت کرتی ہے جس کے زیرِ اثر پتھر حرکت میں آتا ہے اسمیں پتھر کا اپنا کوئی اختیار و
ادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس کا کوئی شعور رکھتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف انسانی افعال
م تر شعوری ہوتے ہیں۔

اں شعور اور جسم کے تعلق کے حوالے سے ایک مثال کسی بھی آٹو موبائیل مثلاً کار کی دی
سکتی ہے۔ کار کا ایک مخصوص ڈھانچہ ہوتا ہے جسے ہم اس کا جسم کہہ سکتے ہیں۔ کار بغیر
ر ھن (پیٹرول یا گیس) کے بغیر نہیں چل سکتی جسے اس کی غذا کہا جا سکتا ہے۔ کار کے تمام
ں یوں تو اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں لیکن کار کی حرکت میں اصل کردار اس کی بیٹری انجام
تی ہے۔ اگر بیٹری سے کرنٹ کی فراہمی جاری ہوگی تو کار حرکت میں آئے گی اور اگر بیٹری
ے کرنٹ کی فراہمی میں خلل واقع ہو جائے تو ظاہر ہے کار کی حرکت میں رکاوٹ پیش آئے
ا یہ گویا کار کا ''شعور'' ہے جو اسے حرکت میں رکھتا ہے۔

Marfat.com

کار کی بیٹری دو اقسام کے کرنٹ کے ملاپ سے چلتی ہے یعنی مثبت اور منفی با الفاظ دیگر انسانی تناظر میں یہ اس کا شعور ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ جس طرح مثبت کرنٹ منفی سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے اسی طرح انسان میں بھی انسانی شعور اس کے دوسرے جزو سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ ان دونوں کے ملاپ سے حیات وجود میں آتی ہے اور موت سادہ طور پر ان دونوں اجزاء کی علیحدگی کا نام ہے (تفصیل کے لیئے اس باب میں عنوان ''انسانی موت و حیات انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء کی علیحدگی اور ملاپ کا نام ہے'') دیکھئے اگر کار سے اس کی بیٹری علیحدہ کی جائے تو اس کا ڈھانچہ باقی رہ جاتا ہے اسی طرح انسانی جسم سے شعور کی علیحدگی کے بعد محض اس کا بھی ڈھانچہ باقی رہ جاتا ہے۔ جس طرح کار سے بیٹری کی علیحدگی کے بعد اس کی حیثیت محض ڈھانچے کے رہ جاتی ہے اور عدم استعمال کی صورت میں وہ ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح انسانی جسم موت کے بعد ایک خاص مدت میں گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم کار کے برخلاف انسانی افعال شعوری ہوتے ہیں جبکہ کار کی حیثیت انسانی ہاتھ میں ایک کھلونے کی مانند ہوتی ہے وہ اسے جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ انسان اپنے تمام افعال اپنے شعور کی روشنی میں انجام دیتا ہے۔

تاہم یہاں ان افعال کو دو (۲) حصوں میں تقسیم کیا جانا ضروری ہے۔ پہلی قسم کے افعال وہ ہوتے ہیں جو شعور کی پہلی سطح یعنی درجہء حیوانیت کے ذیل میں آتے ہیں ان میں جیسا کہ عرض کیا گیا انسان کے جسمانی تقاضوں کی تکمیل کے تحت انجام دی جانیوالی سرگرمیاں شامل ہیں جبکہ دوسری قسم کی سرگرمیاں وہ ہوتی ہیں جو اس سطح سے بلند ہو کر کسی متعینہ مقصد کے حصول کی خاطر انسان اپنے ارادے و اختیار کے تحت انجام دیتا ہے۔ یہاں واضح رہے کہ حیوانات کو شعور کی صرف پہلی سطح ملتی ہے جبکہ انسان دونوں سطحوں کا حامل ہوتا ہے۔

کی پہلی سطح پر شعور کے تقاضے صرف جسمانی ضروریات کی تکمیل تک محدود ہوتے ہیں
اس سے آگے کچھ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا لہذا اس سطح پر شعور اور جسم کا تعلق محض
(Complementary) ہوتا ہے۔ شعور جسم کے بغیر اور جسم شعور کے بغیر
معنی نہیں رکھتا۔

کی دوسری سطح پر جہاں تک جسمانی ضروریات کی تکمیل کا تعلق ہے یہاں بھی صورتحال
ہتی ہے لیکن چونکہ فہم وتدبر اور اختیار وارادہ کی اضافی خصوصیات شعور کو حاصل ہو جاتی
ذا شعور اب جسمانی تقاضوں پر حاوی ہو جاتا ہے مثلاً شعور کی ابتدائی سطح پر اگر جسم کو
لگی ہو تو شعور صرف اور صرف غذا کے حصول کی سعی کرتا ہے لیکن شعور کی بالائی سطح پر
بالاتر مقاصد کے حصول کے لیئے جسمانی تقاضوں کو ایک حد تک فراموش کر سکتا
شلاً: مسلمان روزہ کی حالت میں شدید جسمانی طلب کے باوجود غذا کا کوئی معمولی
مولی حصہ بھی منہ میں نہیں لیتا۔ ایک بیل اپنی جنسی تقاضوں کی تکمیل کسی بھی گائے سے
نا ہے لیکن انسانوں کے حوالے سے صورتحال قطعی تبدیل ہو جاتی ہے۔ انسانی شعور
یسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لہذا شعور کی بالائی سطح پر انسانی شعور ایک مقصد کے
پنے اختیار وارادہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اول سطح پر ایک بالاتر حیثیت کا حامل ہوتا
س مرحلے پر یقیناً ایسا نہیں ہوتا کہ شعور جسم کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائے بلکہ
سطح کے تقاضوں کی تکمیل کے لیئے وہ بہر صورت جسم کا محتاج ہوتا ہے لیکن بالاتر مقاصد
ول کے لیئے جبکہ ابتدائی تقاضوں کی تکمیل ہو چکی ہو وہ جسم کو استعمال کرتا ہے۔

کے طور پر اگر ایک انسان اپنی زندگی کا کوئی خاص مقصد متعین کرتا ہے اور اس کے

حصول کے لیئے جدوجہد بھی کرتا ہے تو ظاہر ہے اس کا یہ مقصد اس کے جسم نے طے نہیں کیا بلکہ یہ اس کی شعوری کوشش تھی اور اس مقصد کے حصول کے لیئے جب وہ جدوجہد کرتا ہے تو جسم کے توسط سے ہی کرتا ہے۔ صرف شعور جسم سے علیحدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ تاہم اس کا جسم سے تعلق شعور کی سطح پر منحصر ہوتا ہے۔ ابتدائی سطح پر یہ جسم کے تقاضوں کا تابع ہوتا ہے تاہم بالائی سطح پر یہ اس پر اختیار کا حامل ہو جاتا ہے۔

انسانی شخصیت کا جزو دوم نفسِ انسانی / نفس

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ از روئے قرآن انسانی شخصیت کا دوسرا حصہ یا جزو انسانی نفس / نفس ہے۔ جہاں تک اس دوسرے حصے کا تعلق ہے یہ انسان کی اپنی رضا سے حاصل کردہ امانت ہے جس پر انسان مکمل دسترس رکھتا ہے۔ یہ امانتِ نفس انسان کو بلا وجہ نہیں دی گئی۔ یہ امانت نفس ہر انسان کو مکمل متوازن حالت میں پیدائش کے وقت عطا ہوتی ہے اور روزِ آخرت انسان کی کامیابی اور ناکامیابی کا معیار از روئے قرآن یہی ہے کہ انسان کیا اس کا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔ جو انسان اس امانت کو بعینہ اللہ کے حضور پہچانے میں کامیاب رہا یعنی اس نے اس کا توازن بگڑنے نہیں دیا وہ کامیاب و کامران ہوگا اور جس نے اس کو مٹی میں ملا دیا یا اس کا توازن بگاڑ دیا وہ ناکام و نامراد ہوگا۔ اس توازن کے قائم رہنے کا بنیادی انحصار رزقِ حلال کے حصول اور اعمال صالح پر ہے ان دونوں افعال سے نفسِ انسانی کا توازن برقرار رہتا ہے اور مستحکم ہوتا ہے جبکہ ظلم سے خواہ اس کی نوعیت کسی بھی قسم کی ہو اس کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ کوئی بھی ظلم خواہ وہ کتنا بھی معمولی کیوں نہ ہو کسی نہ کسی درجے نفس کے توازن پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ توازن جتنا

Marfat.com

یادہ بگڑتا جائے گا آخرت میں کامیابی کے امکانات اتنے ہی کم ہوتے چلے جائیں گے۔
ں وجہ سے قرآن مجید میں اہل ایمان کو نفس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر انسان مسلسل
مالِ صالح کرتا رہے اور رزق حلال پر کاربند رہے تو ایک منزل ایسی آجاتی ہے جہاں
نسان اپنے رب سے اور اس کا رب اپنے بندے سے راضی ہوجاتا ہے یہ منزل قرآن کی
صطلاح میں نفسِ مطمئنہ کہلاتی ہے۔ جو کامیابی کی منزل ہے بالفاظ دیگر انسانی زندگی کا منتہا
صود ہے۔

ہاں تک انسانی شخصیت کے اس دوسرے جزو یعنی نفسِ انسانی کا تعلق ہے اس حوالے سے
درجہ ذیل نکات کو ذہن میں رکھنا لازمی ہے:

۱۔ نفس، انسان کی اپنے اختیار سے حاصل کردہ امانت ہے۔
۲۔ انسان اپنے نفس پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔
۳۔ نفس انسانوں کو مکمل متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے۔
۴۔ انسانی زندگی کا مقصد اس کے توازن کو برقرار رکھنا ہے۔
۵۔ انسان صرف اپنے نفس کا ذمے دار ہے۔
۶۔ صرف مسلمانوں کو نفس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔
۷۔ نفس بنیادی طور پر آزمائش کا ذریعہ ہے۔
۸۔ کسی نفسِ انسانی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کیا جاتا۔
۹۔ آزمائش میں کامیابی کی صورت میں نفس مطمئنہ کی سطح حاصل ہوتی ہے۔
۱۰۔ انسانی موت وحیات انسانی شخصیت کے انہی دونوں اجزاء کی علیحدگی اور ملاپ کا نام ہے۔
۱۱۔ موت کے وقت فرشتہء اجل انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء پر قبضہ کرلیتا ہے۔
۱۲۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور

Marfat.com

۱۳۔ کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر مر نہیں سکتا۔

ان نکات کی انفرادی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ نفس انسان کی اپنے اختیار سے حاصل کردہ امانت ہے:

جہاں تک انسانی شخصیت کے دو اجزاء میں سے دوسرے حصے یعنی نفسِ انسانی کا تعلق ہے یہ امانت انسان نے خود اپنے اختیار سے حاصل کی ہے۔ اس امر کی شہادت سورۃ احزاب کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا
وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (۳۳/۷۲)

ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کیا تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

اس آیۂ کریمہ میں جس بارِ امانت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ سوائے نفسِ انسانی کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس حوالے سے سادہ سی دلیل یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں الحمد سے لیکر والناس تک انسانوں کو صرف ایک شے کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے اور وہ نفس ہے۔ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی کسی بھی مقام پر بلا واسطہ یا بالواسطہ انسانوں کو ماسوا نفس کسی بھی شے کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا گیا ہے لہذا انسانوں کے حوالے جس امانت کا تذکرہ متذکرہ بالا آیت میں کیا گیا ہے وہ ماسوا نفس انسانی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس دعویٰ کو تقویت اس امر سے بھی ملتی ہے کہ روزِ قیامت انسان کی کامیابی یا ناکامیابی کا

معیار اس امر پر ہوگا کہ یہ نفس جو انسان کو قطعی متوازن حالت میں عطا کیا جاتا ہے انسان کس حد تک اس کے توازن کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہا ہے؟ یہی اسکی کامیابی یا نا کامیابی کا معیار ہوگا۔ اس امر کو مزید تقویت اس آیت (۳۳/۷۲) میں بیان کردہ دو انسانی خصوصیات سے بھی ملتی ہے۔ اس آیت میں انسان کو ظالم اور جاہل قرار دیا گیا ہے۔ ظلم سے مراد اللہ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ انسان بار بار یہ فعل کرتا ہے یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی۔ اس فعل کا اثر از روئے قرآن انسان کے نفس پر ہی پڑتا ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (۷/۲۳)

ان دونوں نے کہا! اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفوس پر ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

صرف متذکرہ بالا آیات بلکہ قرآن مجید سے اس حوالے سے کئی آیات پیش کی جا سکتی ہیں یہاں قطعی واضح اور دو ٹوک انداز میں کسی بھی نوعیت کے ظلم کا اثر انسانی نفس پر ہی بتایا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیئے دیکھیئے تیسرا باب) اس امر سے بھی اس مفروضے کو تقویت ملتی ہے کہ جس امانت کا تذکرہ (۳۳/۷۲) میں کیا گیا ہے وہ انسانی نفس ہی ہے کیونکہ انسان ہی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔

اس حوالے سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس آیت (۳۳/۷۲) میں اس انسان کو جاہل قرار دیا گیا ہے۔ جاہل کا مادہ ج ھ ل ہے۔ اس کے معنی ہیں غیر واضح امور کی واقفیت حاصل کیئے بغیر ان کی جانب پیش قدمی کرنا۔ جہل کی مختلف اقسام بیان کی جاتی ہیں مثلاً (۱) خالی الذھن ہونا (۲) کسی بات کی بابت اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتماد رکھنا

اور (۳) کسی کام کو اس کے صحیح طریقے کے خلاف کرنا خواہ اعتقاد اس حوالے سے صحیح ہو یا غلط۔ (۴) ناواقفیت اور (۵) حلم اور برداشت کی قوتوں سے محرومی (۶) علم کی ضد۔ انسان اس حوالے سے آخر الذکر تین حوالوں سے جاہل قرار پاتا ہے۔ نفس جسے متوازن حالت میں انسانوں کو عطا کیا جاتا ہے اور اس کے توازن کی ذمے داری خود انسان نے لی اور وہ اس کے توازن کو برقرار نہیں رکھتا اور اکثر و بیشتر حلم و برداشت کی قوتوں سے محروم ہو کر اپنے جہل (علم کی ضد) کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ اور بڑی حد تک اس نے نفس کی امانت کو قبول کرتے وقت اس حوالے سے بھی جہل کا مظاہرہ کیا کہ یہ دیکھے بغیر کہ اس امانت کو واپس اللہ تک پہنچانے میں کس قدر جگر پاش مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا اس نے اسے قبول کر لیا اور نفس کے توازن کو برقرار رکھنے کے جو طریقے خود قادرِ مطلق نے اسے بتائے ہیں وہ ان کی خلاف ورزی علم نہ رکھنے کی وجہ سے کرتا رہتا ہے۔

اس مفروضے کے حوالے سے کہ آیت (۳۳/۷۲) میں بارِ امانت سے مراد انسانی نفس ہی ہے اس آیت سے بالکل متصل اگلی آیت بھی پیش کی جا سکتی ہے جہاں ارشادِ ربانی ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
(۳۳/۷۳)

تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور خدا مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

Marfat.com

ہ آیت بھی اس امر پر شاہد ہے کہ بارِ امانت سے مراد نفس انسانی ہی ہے۔اس کی دلیل یہ
ہے کہ مومن مرد اور عورت چونکہ اس حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور وہ اپنے نفس کے
ازن کی برقراری کے لیئے تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں لہذا وہ اس امانت کو اس کے
لک کے پاس بہ حسن وخوبی پہنچا سکتے ہیں اور یہ راہ چونکہ کوئی آسان راہ نہیں ہے موانعات
سے پُر ہے لہذا وہ لوگ جو اس راہِ خارزار سے باکمال وخوبی گذرتے ہیں کامیاب ہوجاتے
ں وہ اپنے رب سے اس کا اجر حاصل کریں گے۔اور منافقین اور مشرکین (واضح رہے کہ
رآنِ کریم نے بعض مقامات پر کفار کو مشرک بھی کہا ہے اور مشرکین کو کفار بھی لہذا اس
مرے میں کفار بھی شامل ہیں) چونکہ دنیا ہی کو سب کچھ مان لیتے ہیں لہذا وہ اس امانت
ں اس حد تک خیانت کر چکے ہوتے ہیں کہ خود ہی اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب کے حقدار
ن جاتے ہیں لہذا دونوں آیات (۷۲/۳۳) اور (۷۳/۳۳) ایک ہی مضمون کی تکمیل
کر رہی ہیں۔پہلی آیت میں امانت کی حوالگی اور دوسری آیت میں اس امانتِ نفس کے
توازن حالت میں پہنچانے پر انعام اور بصورتِ دیگر نفس کے غارت کرنے پر سزا کی بات
ں گئی ہے۔لہذا اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بارِ امانت سے مراد نفس کی امانت ہی ہے۔
ہاں تک اس آیت کے حوالے سے بیشتر مفسرین کرام کی اس رائے کا تعلق ہے کہ اس بارِ
نت سے مراد شریعت کے احکام وفرائض ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور اعراض وانکار پر
واب ہوگا اس لیئے قابلِ قبول نہیں کہ اس آیت میں خطاب مسلمانوں / مومنین سے نہیں
ہ تمام نوعِ انسانی سے ہے۔احکامِ شریعت کی پابندی صرف مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے
ر مسلموں پر نہیں۔اگر اس آیت میں امانت سے مراد صرف احکام شریعت ہوتے تو
طاب مسلمانوں / مومنین سے ہونا چاہیئے تھا پوری نوع انسانی سے نہیں۔

دوسری طرف یہ امر بھی ذھن میں رکھیئے کہ آسمان، زمین اور پہاڑ جن کو یہ امانت پیش کی گئی وہ تو پہلے ہی کمالِ اطاعت پر ہیں وہ اپنے خالق کے احکامات کی خلاف ورزی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتے لہذا ان کے متعلق یہ تصور کرنا کہ انہوں نے احکامِ خداوندی کی اطاعت سے انکار کر دیا ویسے ہی ناممکن ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ نفس کی دولت تمام انسانوں کو بالکل یکساں انداز میں عطا کی جاتی ہے اس میں کسی قسم کی کوئی استثناء نہیں ہے اور اس آیت میں بیان بھی نوع انسانی کا ہو رہا ہے لہذا بارِ امانت سے مراد صرف اور صرف نفس کی دولت ہے۔

اس حوالے سے ایک استدلال غلام احمد پرویز صاحب کا بھی ہے۔ پرویز صاحب اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس (خیانت) سے ڈر گئے لیکن انسان اس میں خیانت کرتا ہے۔ یہ بڑا ہی ظالم اور نادان ہے''۔ اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں ''یعنی خدا نے اپنے قوانین کی اطاعت کی امانت کو خارجی کائنات کے سپرد کیا تو اس نے اسمیں کسی قسم کی خیانت نہیں کی۔ تمام اشیاءِ کائنات اپنے فرائض مخصوصہ کی تکمیل میں سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن یہی قانون جب انسان کو دیا تو یہ اسمیں خیانت کرتا ہے۔ اسکی اطاعت نہیں کرتا یہ بڑا نادان ہے اور اپنے آپ پر زیادتی کرتا ہے۔'' (غلام احمد پرویز، لغات القرآن۔ ج ۲، دسمبر ۱۹۸۷ طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ص ص ۵۵۲ - ۵۵۳) یہ استدلال کہیں سے بھی عقل وفکر کے ادنیٰ سے ادنیٰ معیار پر بھی پورا نہیں اترتا کیونکہ:

۱) پرویز صاحب اس آیت کا جو ترجمہ کرتے ہیں اس پر غور کیجیئے ان کے اپنے الفاظ

Marfat.com

یہ ہیں ''ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا''۔ بالفاظ دیگر نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے خود اس امانت میں خیانت کرنے کو خارجی کائنات کو کہا اور انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا خود سوچیئے اس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق کس قسم کا تصور ابھرتا ہے جو ایک طرف پورے قرآن میں امانت کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے اور دوسری طرف خود اپنی امانت خارجی کائنات کو خیانت کے لیئے پیش کرتا ہے؟ اس میں بھی طرفہ تماشہ یہ ہے کہ خارجی کائنات ایسا کرنے سے انکار کر دیتی ہے اس کے بعد خود خدا کی پوزیشن کیا رہ جاتی ہے؟

ظاہر ہے اللہ کی ذات ان انسانی فکری لغزشوں سے ماورا ہے وہ ایک مکمل اور کامل ہستی ہے اس سے کوئی تضاد منسوب نہیں ہو سکتا۔ یہ تصور بھی گناہ ہے۔ لہذا یہ استدلال بھی قطعی محل نظر ہے۔

اس ترجمے کی وضاحت میں کہتے ہیں ''خدا نے اپنے قوانین کی اطاعت کی امانت کو خارجی کائنات کے سپرد کیا۔'' یہ جملہ بجائے خود منطقی لحاظ سے ایک مکمل بے ربط جملہ ہے۔ ''قوانین کی اطاعت کی امانت'' چہ معنی دارد؟ اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے اس کی امانت پیش نہیں کی جاتی۔

اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امانت سے مراد قوانین خداوندی کی اطاعت کی امانت ہے صحیح نہیں ہے۔

انسان اپنے نفس پر مکمل قدرت رکھتا ہے:

بروئے قرآن انسان اپنے نفس پر مکمل قدرت رکھتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان

Marfat.com

کواُس نفس پر مکمل قدرت حاصل ہے جو اس نے اپنے مرضی سے بطور امانت قبول کیا ہے۔اس حقیقت کا اثبات اس آیت قرآنی سے ہوتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ○ (۵/۲۵)

موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں اپنے نفس کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر ہرگز گرفت نہیں رکھتا اس لیئے تو ہمارے اور فاسقین کے درمیان امتیاز کردے۔

اس آیتِ کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ کہ میں اپنے نفس اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر گرفت نہیں رکھتا اس امر کی کھلی کھلی شہادت ہیں کہ انسان اپنے نفس پر مکمل گرفت رکھتا ہے۔یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ نفس پر قدرت کے لیئے آیتِ مذکورہ میں لفظ اَملِکُ استعمال کیا گیا ہے جس کا مادہ م ل ک ہے اس کے بنیادی معنی قوت رکھنا، کسی چیز پر قادر ہوجانا، اختیار رکھنا، اتھارٹی (Authority) کے ہوتے ہیں۔ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس کے معنی سہارا کے بھی ہوتے ہیں جس پر کوئی چیز قائم ہو۔اس کے معنی قوت اور شدت کے بھی آتے ہیں۔مالک کے معنی صاحب اختیار واردہ کے ہیں۔اس کے علاوہ مالک وہ مقصور ہوتا ہے جس کے تابع کوئی دوسرا ہو جائے (۳۶/۷۲)۔(۲/۲۴۷) میں ملک کو اقتدار و اختیار کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔اسی طرح ملکوت کے معنی عزت واقتدار کے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لیئے مخصوص ہے کہ پوری کائنات کا وہی یکہ وتنہا مکمل مالک ہے اور اس پر مکمل اختیار واردہ رکھتا ہے۔

Marfat.com

ریحات بالا سے واضح ہے کہ ملک کا لفظ قرآن مجید میں اختیار و قبضہ وقدرت کے معنوں
ں استعمال کیا گیا ہے اور جب نفسِ انسانی کے لیئے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اسکا واضح
لب ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر مکمل قبضہ واختیار حاصل ہے۔

۔ یہاں بطور اعتراض یہ دلیل دی جائے متذکرہ بالا آیت (۵/۲۵) کے الفاظ حضرت
یٰ ؑ کے ہیں اور اس سے انبیاء کی حد تک تو ثابت ہوتا ہے عام لوگوں کے لیئے کلیہ مستنبط
ں کیا جا سکتا۔ تاہم ایسا نہیں ہے یہ صورت حال نہ صرف انبیاء ورُسل کے حوالے سے
بلکہ تمام نوع انسان کے حوالے سے بھی ہے اس کی تصدیق سورۃ آل عمران کی مندرجہ
آیت سے ہوتی ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ

(۳/۱۸۶)

تمہیں تمہارے اموال اور تمہارے نفوس کے متعلق ضرور آزمایا جائے گا۔

ت کے یہ الفاظ واضح اور صریح انداز میں پوری نوع انسانی کے متعلق ایک کلیہ بیان
ہے ہیں اور کلیہ یہ ہے کہ تمہیں (تمام نوع انسانی کو کیونکہ یہاں خطاب کسی خاص گروہِ
ں مثلاً مسلمانوں، کفار یا مشرکین وغیرہ سے نہیں ہے) تمہارے اموال اور نفوس کے
ں ضرور آزمایا جائے گا۔ یہاں آزمائش سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت اسی باب میں
ان ''نفسِ انسانی ذریعہء آزمائش'' کے تحت آگے کی گئی ہے۔ فی الوقت زیرِ غور نکتہ یہ
ہ پوری نوع انسانی کو یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ تمہیں تمہارے اموال اور نفوس کے متعلق
آزمایا جائے گا۔ آزمائش ظاہر ہے اسی وقت ہو سکتی ہو جب کسی چیز پر قبضہ
ار حاصل ہو اور اس کے متعلق جانچا جائے کہ انسان اپنے زیرِ تصرف شے کو کیسے

Marfat.com

استعمال کرتا ہے؟ اگر کسی شے پر انسانی قبضہ واختیار ہی نہ ہو تو اس کے متعلق جانچ یا آزمائش کا تصور ہی بے معنی ہے لہذا انسان کو اس کے نفس پر مکمل قبضہ واختیار دیا گیا ہے جبھی آزمائش کا پہلو سامنے آسکتا ہے ورنہ نہیں۔

اس حوالے سے ایک اور اہم نکتہ یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ متذکرہ بالا آیت (۳/۱۸۶) میں آزمائش کے بابت بیان دو حوالوں سے ہے ایک مال اور دوسرا نفس۔ اپنے مال پر ظاہر ہے انسان کو مکمل قبضہ و اختیار حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں چھیاسی (۸۶) مختلف مقامات پر مختلف حوالوں سے مختلف چیزون پر انسانی ملکیت تسلیم کی گئی ہے اور مال پر انسانی قبضہ واختیار کا حق ایک بدیہی حقیقت ہے جسے کوئی بھی چیلنج نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف اس آیت میں مال کے ساتھ انسانی نفس کا تذکرہ کرکے اس حقیقت کو مزید واضح کردیا گیا ہے کہ جس طرح مال پر انسانی قبضہ ایک امر صریح ہے بعینہ نفس پر انسانی اختیار بھی روزِ روشن کی طرح ایک عیاں حقیقت ہے۔

اس امر کی مزید تصدیق سورۃ المائدہ کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ (۵/۱۰۵)

اے اہل ایمان! اپنے نفوس کی حفاظت کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان سے مطالبہ ہے کہ اپنے نفوس کی حفاظت کرو یہاں نقطۂ تدبر یہ ہے کہ حفاظت کا مطالبہ کس سے کیا جاتا ہے؟ ظاہر ہے حفاظت کی توقع اسی سے کی جاتی ہے جس کو کسی شے پر قبضہ واختیار دیا جائے۔ اگر کوئی شے انسانی اختیار میں ہی نہیں ہو تو اس کی حفاظت کا مطالبہ ایک بے معنی امر ہوگا۔ لہذا نفس کو انسانی اختیار میں دینے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس حفاظت کریں۔

Marfat.com

اسی تناظر میں سورۃ النساء کی مندرجہ ذیل آیت بھی اہمیت کی حامل ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ (۴/۸۴)

تو تم اللہ کی راہ میں لڑو تم اپنے نفس کے سوا کسی کے ذمے دار نہیں ہو اور مومنین کو بھی ترغیب دو۔

یہاں بھی ظاہر ہے نفس کی ذمے داری انسان پر ڈالی گئی ہے با الفاظ دیگر نفس کو انسان کی تحویل میں دیا گیا ہے اور انسان کو اس کا مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ اسی حوالے سے سورۃ الانعام کی مندرجہ ذیل آیت پر بھی تدبر لازمی ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ ۖ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ (۶/۹۳)

اور کاش تم ان ظالم لوگوں کو اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختیوں میں ہوں اور ملائکہ (یہ کہتے ہوئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنے نفوس۔

اس آیت کریمہ میں جہاں ظالمین کا موت کے وقت انجام بتایا گیا ہے وہیں قابل غور صورت حال یہ ہے کہ ملائکہ ظالمین سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اخرجوا انفسکم (نکالو اپنے نفوس) یہاں ظاہر ہے حکم ظالمین کو دیا جا رہا ہے کہ اپنے نفوس نکالو یہ الفاظ اس امر پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ انسانوں کا نفس پر قبضہ ہوتا ہے جبھی ملائکہ انسانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ "نکالو اپنے نفوس" ورنہ اگر انسانوں کا نفس پر قبضہ و اختیار نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ملائکہ کس بنیاد پر انسانوں سے اس قسم کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

اس پر انسانی قبضہ و اختیار کے حوالے سے سورۃ نازعات کی مندرجہ ذیل آیت بھی اہمیت کی

Marfat.com

حاصل ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ (۷۹/۴۰)

جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو (گری ہوئی) خواہشات سے روکا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے روز قیامت کامیابی کے لیے درکار مختلف شرائط میں سے ایک شرط بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہی شخص جنت کا حقدار ہوگا جو دنیاوی زندگی میں اپنے آپ کو نفس کی گری ہوئی خواہشات کی تکمیل سے روکتا رہا۔ موضوع زیر بحث کے لحاظ سے مقام تدبر یہ ہے کہ انسان کے پاس اتنا ارادہ واختیار ہے جس کی مدد سے وہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے اور اس کی منفی ترغیبات پر حاوی ہو سکتا ہے۔ یہ امر پھر اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کو نفس پر قبضہ وقدرت حاصل ہے۔

قبضہ وقدرت لامحالہ ارادہ واختیار پر منتج ہوتا ہے لہذا اس بحث سے ایک اور نتیجہ یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ انسانوں کو مکمل اختیار وارادہ کی صلاحیت دی گئی ہے۔ اگر انسان کے پاس اختیار وارادہ کی نعمت نہ ہوتی تو اس سے نفس کی حفاظت کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا۔ جو اصحاب انسانی اختیار وارادہ کے حوالے سے اس بحث میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ میری کتاب ''رزق کی بست وکشاد کے قرآنی قوانین'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں جہاں اس حوالے سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۳۔ انسانوں کو نفس متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے

از روئے قرآن انسانوں کو نفس متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے اس حقیقت کی گواہی قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ملتی ہے۔

Marfat.com

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ (۹۱/۷)

اورانسانی نفس کوبھی اوراس کے توازن کوبھی (شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں)

ں آیت کریمہ میں سوھا کا لفظ تدبر کا طالب ہے اس کا مادہ س وی ہے۔اس کے معنی ہیں
ی شے کا اپنی ذات میں مکمل اعتدال ۔اس کے معنی میں استقامت اور دو چیزوں کے
ن اعتدال بھی شامل ہیں۔قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس لفظ کو انہی معنوں میں
ستعمال کیا گیا ہے مثلاً ولما بلغ اشدہ واستوی (۲۸/۱۴) ''اور جب جوانی کو پہنچا اور مکمل
ن ہوگیا'' اسی طرح سورۃ الفتح آیت ۲۹ میں اسے مضبوطی اور سیدھے کھڑے ہونے کے
ں میں استعمال کیا گیا ہے۔فاستوی علی سوقہ ''پودوں کا مضبوط ہو کر تنوں پر سیدھا کھڑا
جانا''۔اس کے معنوں میں ہر قسم کی افراط وتفریط سے محفوظ رہنا بھی ہے۔اعتدال کی راہ
معنوں میں اسے سورۃ طٰہٰ میں استعمال کیا گیا ہے الصراط السوی (۲۰/۱۳۵) سیدھی راہ یا
دال کی راہ۔انہی معنوں میں اسے سورۃ المریم میں ان الفاظ کیساتھ بیان کیا گیا ہے فتمثل
بشرا سویا (۱۹/۱۷) ''وہ اس کے سامنے کامل بشر کی صورت میں آیا''۔سورۃ الملک آیت
میں بھی اسے سیدھے راستے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔سویا علی صراط مستقیم
۶۷/۲۲) ''جو سیدھا راہِ راست پر چلا ہو''۔

مادہ کے معنی وسط اور درمیان کے بھی آتے ہیں ان معنوں میں اسے سورۃ الصافات میں
ستعمال کیا گیا ہے سواء الجحیم (۳۷/۵۴) ''جہنم کا عین وسط''۔سورۃ النجم میں حضرت
ئیل علیہ السلام کے متعلق ارشادِ ربانی ہے

ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۙ (۵۳/۶)

جو زور آور ہے پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اس کے معنی دو چیزوں کے باہم دگر برابر ہونے ، ایک دوسرے کی مانند یا مثل اور نظیر ہونے کے بھی ہیں۔ تصریحات بالا سے واضح ہے کہ اس مادے کے بنیادی معنی اعتدال اور توازن کے ہیں اور جس شے کے توازن کی گواہی خود اللہ نے دی ہو تو اس کے بعد اس حوالے سے شک کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔

اس امر کی شہادت قرآن مجید میں دیگر مقامات پر بھی دی گئی ہے، مثلاً:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ (۹۵/۴)

ہم نے انسان کو انسب توازن کے ساتھ پیدا کیا۔

اس آیت میں تقویم کے لفظ پر تدبر لازمی ہے اس کا مادہ ق و م ہے اس کے معنی متوازن ہونا، کسی معاملت کا توازن یا اعتدال پر ہونا، محکم و استوار ہونا، ثابت اور دائم رہنا، درست اور سیدھا ہونے کے ہیں۔ اس مادے کے تمام الفاظ میں توازن قائم رکھنا مشترک ہے۔ یہ توازن جسمانی، نفسیاتی، معاشرتی، معاشی کسی بھی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ لہذا جب انسان کے لیئے یہ کہا گیا کہ اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا تو اس سے مراد ہے انسب توازن۔ اس امر کی مزید تصدیق سورۃ الانفطار کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝

(۸۲/۶-۸)

اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ دیا جس نے تجھے خلق کیا پھر (تیرے اعضا کو) ٹھیک کیا اور تیرے اخلاط وعناصر میں عمدہ توازن اور اعتدال پیدا کیا۔

قرآن مجید کی متذکرہ بالا تمام آیات اس امر پر شاہد ہیں کہ خالق دو جہاں نے انسان کو احسن تقویم کیساتھ خلق کیا ہے اس تقویم میں اس کا جسمانی اور نفسیاتی توازن دونوں شامل ہیں۔ اس تناظر میں متذکرہ بالا آیت (۹۱/۷) کا مفہوم قطعی واضح ہو جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خود نفس کے توازن کو شہادت کے طور پر پیش کرنے کی بات ہے۔ اس سے واضح ہے کہ انسان کو نفس انتہائی متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے۔

۴۔ انسانی زندگی کا مقصد نفس کے توازن کو برقرار رکھنا ہے:

از روئے قرآن انسانی زندگی کا مقصد انسان کو عطا کیئے جانے والے اسی نفس کے توازن کو برقرار رکھنا ہے جو شخص اس توازن کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا وہی روزِ حشر کامیاب و کامران ہوگا اور جس نے اس توازن کو برباد کر دیا وہ ناکام و نامراد ہوگا۔ بالفاظ دیگر اخروی کامیابی یا ناکامی کا معیار یہی ہے کہ انسان کس حد تک اپنے نفس کے توازن کو برقرار رکھتا ہے۔ اس امر کی شہادت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے ملتی ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (۹۱/۷-۱۰)

اور انسانی نفس کو اور اس کے توازن کو بھی (شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں)

Marfat.com

پھر اس کو (یہ صلاحیت بھی دی کہ) وہ چاہے تو اپنے اندر انتشار پیدا کر لے یا
تقویٰ کی راہ اختیار کرے جس نے اپنی ذات کی نشوونما کر لی وہ کامیاب رہا اور
جس نے اسے منتشر کر دیا وہ ناکام رہا۔

قرآن مجید کی متذکرہ بالا آیات میں معنی کا ایک پورا جہاں آباد ہے۔ ان آیات کے مختلف الفاظ پر تدبر لازمی ہے۔ جہاں تک اس حوالے سے پہلی آیت (۹۱/۷) کا تعلق ہے اس پر بحث کی جا چکی ہے کہ انسان کو نفس ایک متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے۔ اس سے متصل آیت میں ارشاد ربانی ہے کہ انسان کو یہ صلاحیت دی گئی ہے کہ وہ چاہے تو فجور (تشت و انتشار) یا تقویٰ دونوں راہوں میں سے کوئی ایک منتخب کر لے۔

اس حوالے سے آیت (۹۱/۸) کے تینوں الفاظ یعنی فلھمھا، فجورھا اور تقوھا خصوصی تدبر چاہتے ہیں۔ اول الذکر لفظ فلھمھا کا مادہ ل ھ م ہے اس کے معنی کسی شے کو یکبارگی نگل لینے کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس انداز میں ہوئی ہے کہ وہ دونوں ممکنات کا حامل ہے۔ بالفاظ دِیگر انسانی ذات میں یہ دونوں ممکنات رکھ دیئے گئے ہیں اب یہ انسان کا اپنا اختیار و ارادہ ہے کہ وہ ان ممکنات یا مضمر قوتوں کو کس راہ کے لیئے استعمال کرتا ہے۔ جہاں تک راہ یا راہوں کا تعلق ہے تو آیت کے اگلے الفاظ واضح طور پر ان راہوں کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ پہلی راہ فجور کی راہ ہے۔ فجور کا مادہ ف ج ر ہے جس کے معنی پھاڑنے اور شق کر دینے کے ہوتے ہیں اس کے علاوہ اس میں کسی خاص جانب جھکنے کا رجحان بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں اس کے معنی کشادگی اور کھلے پن کے بھی ہیں۔ راہِ حق سے ہٹ جانے والے کو فاسق و فاجر کہا جاتا ہے۔ انسانی نفس کے حوالے سے اس کے معنی منتشر ہو جانے کے ہوں گے۔ درحقیقت راہِ ہدایت یا راہِ حق سے ہٹ جانے کے نتیجے میں انسانی ذات میں تشت و انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متذکرہ بالا آیت (۹۱/۸) میں فجورھا

کے مقابل تقو ھا آیا ہے جس کے معنی ہیں انسانی ذات کا تشت و انتشار سے محفوظ رہنا۔ دونوں الفاظ فجو رھا اور تقو ھا کی ''ھا'' اس امر کی دلیل ہے کہ یہ دونوں نفس کی کیفیات ہیں۔ باالفاظِ دیگر انسانی ذات میں یہ صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ چاہے تو وہ اپنے آپ کو بگاڑ لے یا مستحکم کر لے۔

اور اس سے متصل اگلی دو آیات میں واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کر دی گئی ہے کہ روزِ آخرت یہی کامیابی اور ناکامیابی کا معیار بھی ہے آیت (۹۱/۱۰) میں کہا گیا کہ جس شخص نے اسے (نفس) کو نشو ونما دی، اسے بڑھایا وہ کامیاب ہے۔ اس آیت میں زکھا کا لفظ توجہ طلب ہے جس کا مادہ زک و ہے اس کے بنیادی معنی نشو ونما پانا، بڑھنا اور پھلنا پھولنا ہیں۔ اس میں بالیدگی اور ارتقاء کا پہلو مضمر ہوتا ہے۔ باالفاظِ دیگر جس نے اپنے نفس کو بالیدگی، نشو ونما دی وہ کامیاب ہوگا۔ اس نشو ونما کا واحد راستہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ جبکہ دوسری طرف جس شخص نے اپنی ذات کو منتشر کر دیا وہ ناکامیاب و نامراد ہوگا اس کی صراحت (۹۱/۱۱) میں دسھا کے لفظ سے کر دی گئی ہے۔ اس کا مادہ دس س ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کسی شے کو کسی دوسری شے کے نیچے چھپا دینا، دبا دینا یا دفن کر دینا۔ قرآن مجید نے کھیتی (افلح) کی مثال سے صورتِ حال کو واضح کیا ہے۔ کھیتی سے پیداوار کے حصول کے لیئے بیج کو زمین میں ملانا پڑتا ہے تاہم اگر بیج سے پودے اور بالآخر تناور درخت بننے کے لیئے مقتضیات کی مناسب تکمیل ہو تو بیج بتدریج تناور درخت بن جاتا ہے۔ لیکن اگر صورتِ حال برعکس ہو جائے تو بیج کی تمام صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی صورتِ حال انسانوں کے ساتھ ہے۔ انسانی نفس کی نشو ونما ایمان اور اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے جبکہ ان دونوں کی عدم موجودگی میں نفس تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور نفس کی تباہی کا

Marfat.com

مطلب روزِ قیامت جہنم کا ایندھن بننا ہے اس سے ماسوا کچھ نہیں۔

۵۔ انسان صرف اپنے نفس کا ذمے دار ہے:

ازروئے قرآن ہر انسان صرف اور صرف اپنے نفس کا ذمے دار ہے۔ بالفاظ دیگر نفس کے توازن کی برقراری اور اس کی ترقی ہر انسان کی انفرادی ذمہ داری ہے اور وہ اپنے نفس کی حد تک اس کا ذمے دار ہے اس سے ماسوا نہیں اس کی شہادت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے ملتی ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ○ (۴/۸۴)

سو (اے رسول) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور تم پر اپنے نفس کے سوا کوئی ذمے داری نہیں اور مومنوں کو بھی ترغیب دلاتے رہو توقع ہے کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے گا۔

اس آیت میں واضح طور پر نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہا گیا ہے کہ آپؐ اپنے نفس کے علاوہ کسی شے کے ذمے دار نہیں ہیں۔ بالفاظ دیگر ماسوا اپنے نفس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ذمے داری کے مکلّف نہیں ہیں۔ ظاہر ہے جو حکم نبی کے لیئے ہے وہ تمام مسلمانوں کے لیئے بھی ہے ماسوا اس کے کہ قرآن مجید میں اس کے لیئے کوئی تخصیص نہ کی گئی ہو اور اس حکم کے لیئے پورے قرآن مجید میں کہیں بھی استثنا نہیں دی گئی لہذا بدیہی طور پر تمام مسلمانوں پر ماسوا ان کے نفس کے کوئی ذمے داری نہیں۔ بلکہ اگر قرآن مجید کی مجموعی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو توحید پر اصرار کے بعد جس امر پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ہر انسان

Marfat.com

اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔ اس حوالے سے کئی آیات قرآنی پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ (۷۴/۳۸)

ہر نفس اپنے اعمال کے عوض گروی ہے۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ربانی ہے:

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۹/۸۲)

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

سورۃ سبا میں ارشاد ربانی ہے:

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۳۴/۳۳)

پس جو عمل وہ کرتے تھے انہی کا ان کو بدلہ ملے گا۔

اس کے علاوہ اس ضمن میں کئی آیات کے حوالے دیے جا سکتے ہیں مثلاً: (۴/ ۱۲۳)، (۹/۵۵)، (۱۴/ ۵۱)، (۹۷-۱۶/ ۹۶)، (۴۰/ ۱۷)، (۷/ ۱۴۷)، (۵۲/ ۱۶)، (۵۶/۲۴)، (۳۶/ ۸۳)، (۴۲/ ۳۰)، (۱۶/ ۳۴)، (۳/ ۱۸۲)، (۱۰/ ۳۰)، (۲۲/۹-۱۰)، (۳۰/۳۶)، (۴۲/۴۹) اور (۷۳/۳۰) وغیرہ۔

ان آیات کریمہ میں قطعی واضح اور دوٹوک انداز میں انسان کو اس کے اعمال کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے اور جب از روئے قرآن تمام انسانی اعمال کا اثر اس کے نفس پر مرتب ہوتا ہے تو لامحالہ یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر انسان صرف اور صرف اپنے نفس کا ذمے دار ہے اس سے ماسوا نہیں۔

۶۔ اہلِ ایمان کو نفس کی حفاظت کا حکم:

یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کو نفس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا
وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ
غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ
مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (٦٦/٦)

اے اہل ایمان اپنے نفوس اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جن کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ المائدہ میں حکمِ خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ
مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (٥/١٠٥)

اے اہل ایمان اپنے نفوس کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے تمام کاموں سے جو تم نے (دنیا میں) کیئے تھے اس سے تمہیں آگاہ کرے گا۔

ان دونوں آیاتِ کریمہ (٦٦/٦) اور (٥/١٠٥) میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفوس کی حفاظت کریں۔ اول الذکر آیت (٦٦/٦) میں تو انہیں اپنے اہل کی بابت بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ دونوں کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بننے سے بچائیں۔ یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ حکم اہل ایمان کو دیا جارہا کہ وہ اپنے نفوس کو دوزخ کی آگ سے بچائیں۔

نفس کی حفاظت سے مراد یہاں بدیہی طور پر اعمالِ بد سے اجتناب اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنا ہے کیونکہ یہی وہ راہ ہے جس سے حفاظت نفسِ ممکن ہے۔اسی وجہ سے متذکرہ بالا آیات (٦٦/٦) میں نفس کی عدم حفاظت کا انجام بھی بتا دیا گیا ہے کہ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو اس کا انجام محض دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور بدترین عذاب جس سے رہائی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکے گی کیونکہ اس دوزخ پر جو فرشتے متعین ہیں وہ اللہ کے احکامات کی سختی سے پابندی کرنے والے ہیں لہذا وہاں استثناء یا رعایت کا کوئی سوال نہیں ہوگا لہذا بہر صورت نفس کی حفاظت یا بالفاظ دیگر تقویٰ کی راہ اختیار کرنا لازمی ہے۔

اس کے علاوہ ان دونوں آیات میں مزید توجہ طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں نفس کی حفاظت کا حکم صرف اہل ایمان کو دیا گیا ہے جبکہ اس امر کی صراحت کی جا چکی ہے کہ نفس تمام انسانوں کو متوازن حالت میں عطا ہوتا ہے اور تمام انسانوں کی نجات کا دارومدار نفس کے توازن کو برقرار رکھنے پر ہے۔ یہاں لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نفس کی حفاظت کے لیئے خطاب صرف مسلمانوں سے ہی کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انسانوں میں سے صرف مسلمانوں کا گروہ ہی ایک ایسا گروہ ہے جو اس حقیقت کو تسلیم کرتا اور اپنے نجات کی فکر کرتا ہے۔ایسے لوگ جو اس حقیقت کو تسلیم ہی نہ کریں ظاہر ہے ان کے لیئے نفس کی حفاظت کا تصور بے معنی ہے۔اللہ پر ایمان کائنات کی سب سے پہلی سچائی ہے جسے تسلیم کرنا لازمی ہے۔اللہ پر ایمان لانے کے بعد ان تمام حقائق کو تسلیم کرنا جن کا مطالبہ قرآن مجید کرتا ہے اس راہ کی دوسری منزل ہے۔ایک مسلمان جو یہ سب کچھ کرتا ہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتا ہے لہذا اس کے نفس کے توازن اور نشوونما کا سوال پیدا ہوتا ہے۔دوسری

Marfat.com

طرف وہ لوگ جوان حقائق کو تسلیم ہی نہ کریں ظاہر ہے ان کے لیئے نفس کی حفاظت کا انتباہ بے معنی ہے لہذا قرآن اس حوالے سے ان سے مخاطب ہی نہیں ہے۔

۷۔ نفس انسانی ذریعہ آزمائش:

ازروئے قرآن انسان کو بہ حیثیت انسان اس کے مال اور نفس کے متعلق لازماً آزمایا جائے گا۔ یہ بنی نوع انسان کی ایک ایسی تقدیر ہے جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (۳/۱۸۶)

تمہیں تمہارے اموال اور تمہارے نفوس سے متعلق ضرور آزمایا جائے گا۔

آزمائش کے حوالے سے قرآن مجید میں دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اول 'نبلو' دوم 'فتنہ' ان الفاظ کا انفرادی تجزیہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) نبلو

قرآن مجید آزمائش کے حوالے سے متعدد مقامات پر یہ لفظ آیا ہے جس کا مادہ ب ل و ہے اس مادہ کے دو بنیادی معنیٰ ہیں (۱) کسی کا حال معلوم کرنا یعنی اس کے متعلق جو باتیں معلوم نہ ہوں انہیں معلوم کرنا (۲) کسی چیز کی اصل حالت کا ظاہر ہونا خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ جب یہ لفظ خدا کے لئے استعمال ہوگا تو وہاں صرف دوسرے معنی مراد ہوں گے کیونکہ خدا علام الغیوب ہے اس لئے اس کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کی حالت سے بے خبر ہے۔ لہذا اس لفظ کے بنیادی معنی حالات کا معلوم کرنا یا اصل حقیقت کا ظاہر کرنا ہیں۔

Marfat.com

یہ امر اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ کسی کو آزمائے اسے تو ہر ہر شے خواہ وہ کوئی بھی ہوا سکا کامل علم ہے جب وہ سب کچھ جانتا ہے تو اس کی جانب سے آزمائش ایک بے معنی بات ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائش سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان خود اپنی صلاحیتوں کو آزمائے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے جس میں ان کی صلاحیتوں کی نمود کے مواقع ہوتے ہیں اس طرح انسان اپنی صلاحیتوں کو نمود دیتا ہے اسے مشکل حالات میں اپنی صلاحیتوں کی جانچ کے مواقع ملتے ہیں اور اس طرح اس کی ذات کی نشو ونما ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش بھی درحقیقت اس کی رحمت ہے کیونکہ اس کے ذریعے انسان مشکلات سے نبرد آزما رہتا اور آگے بڑھتا ہے۔ اس طرح اس کی شخصیت یا اقبال کی اصطلاح میں خودی کی تعمیر ہوتی ہے۔

سورۃ الدھر میں ''ابتلی'' کے لفظ کو قرآن مجید نے ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے مضمر جوھروں کے محسوس شکل میں سامنے آنے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش، مرد اور عورت کے نطفے کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ نطفہ ایسے باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جو خوردبین کے بغیر نظر نہیں آسکتے لیکن انہی جرثوموں میں پورے کا پورا انسانی بچہ چھپا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے قرآن کہتا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (۷۶/۲)

ہم نے انسان کی پیدائش ایک ملے جلے نطفے سے کی (اور ایسا انتظام کیا کہ رحم مادر میں اس کے مضمر جوہروں کی نمود ہوتی جائے) تا آنکہ وہ ایک سننے اور دیکھنے والا انسانی بچہ بن جائے۔

یہ ہے ابتلا کا صحیح نقشہ۔ مضمر جوہروں کا مخصوص شکل میں سامنے آجانا۔ ان کی نمود ہو جانا۔
تصریحات بالا سے واضح ہے کہ ابتلا سے مراد خدا کی جانب سے کسی کو آزمانا نہیں کیونکہ یہ بذات خود ایک بے معنی بات ہے۔ ایک جامع العلوم ہستی کے بابت یہ تصور ممکن نہیں۔ لہذا آئندہ مباحث میں لفظ ''آزمائش'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمود ذات کے مواقع کی فراہمی ہوگا تاکہ انسان اپنی شخصیت / انا / خودی کی تعمیر کر سکے۔ یہ تعمیر اچھے اور برے دونوں قسم کے حالات میں ممکن ہوتی ہے یعنی مشکلات اور کامیابیوں و کامرانیوں کے ادوار میں بھی۔ اسی وجہ سے آزمائش دونوں صورتوں میں ممکن ہے۔
سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ قومِ فرعون تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھا کرتی تھی ہم نے تمہیں ان کے پنجہء استبداد سے نجات دلائی۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ (۲/۴۹)

اور جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے مخلصی بخشی وہ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اسمیں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔

قوم فرعون کے مظالم سے بنی اسرائیل کو نجات اس لیئے دلائی تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ آزادی ملنے پر وہ کس قسم کے طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ غزوہ بدر میں اللہ کی امداد و تائید کا مقصد احسانات کی جانچ تھی۔

Marfat.com

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ
اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ
بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۸/۱۷)

تم نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو قتل کیا اور (اے محمدؐ) جس وقت آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں اس سے غرض یہ تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں سے) اچھی طرح آزمالے بے شک خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بنی اسرئیل کو اقوام عالم سے منتخب کیا گیا انہیں دیگر اقوام کے مقابلے میں سرفراز کیا گیا انہیں جو مقام دیا گیا اس میں بھی ان کی نمود ذات کے مواقع تھے۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝
وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ۝
(۴۴/۳۲-۳۳)

ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے دانستہ منتخب کیا تھا اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔

ظاہر کر دینے کے معنی میں یہ لفظ سورۃ الطارق میں آیا ہے

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ (۸۶/۹)

جس دن تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔

سورۃ آل عمران میں ہے:

Marfat.com

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ (۳/۱۵۴)

تا کہ اللہ ان باتوں کو ظاہر کردے جو تمہارے سینوں میں تھیں۔

سورۃ یونس میں ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ (۱۰/۳۰)

وہاں ہر شخص اپنے اعمال کو سامنے موجود دیکھے گا جو اسنے پہلے کیئے تھے۔

اسی طرح بعض دیگر مقامات مثلاً (۳۰/۲۳) میں بھی اسے ظاہر کرنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتلا سے مراد نمود ذات ہے جو مشکل حالات اور سہولت وآسائش دونوں صورتوں میں ممکن ہوتی ہے اور جو اسمیں سرخرو ہو جاتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں اس کی بہترین مثال حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ہے جو اسی قسم کی مختلف آزمائشوں میں پورے اترے اور کامیاب ہوئے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۲/۱۲۴)

جب ابراہیم کو اس کے رب نے بعض باتوں کے ذریعے سے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کر دکھایا (اس پر اللہ نے فرمایا) میں یقیناً تجھے انسانوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔

(ii)۔ فتنہ:

آزمائش کے حوالے سے قرآن مجید میں جو دوسرا لفظ استعمال ہوا ہے وہ فتنہ ہے۔ اسکا مادہ

Marfat.com

ف ت ن ہے اس کے بنیادی معنی ہیں سونا یا چاندی کو آگ میں گلانا تا کہ اسکا کھوٹ الگ ہو جائے۔ اس سے اس کے معنی کسی چیز کی اصلیت کو ظاہر کرنے کے آتے ہیں چنانچہ الفتانۃ کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر سونا چاندی کو گھس کر ان کی اصلیت کو ظاہر کیا جاتا ہے یہیں سے فتنہ کی معنی تاؤ دے کر پرکھنے اور آزمائش کرنے کے آتے ہیں۔ (۲۰/۴۰) میں اسے آزمائش کے معنوں میں استعمال کیا گیا اس کے علاوہ (۳-۲۹/۲)، (۳۹/۴۹)، (۴۴/۱۷)، (۶۴/۱۵) وغیرہ میں بھی اسے آزمائش کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ آزمائش کے علاوہ دیگر مختلف معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے مثلاً (۹/۱۲۶) میں اسے جنگ کی مصیبتوں اور مشکلات کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ (۳۷/۱۶۲) میں صحیح راستے سے ہٹا کر غلط راہ پر لگا دینے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ (۴/۹۱) میں اسے جنگ کے معنوں میں (۳۹/۴۹)، (۵/۴۹) اور (۱۷/۷۳) میں اسے گمراہی یا راہ ھدایت سے ہٹا دینے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ (۲۲/۱۱) میں اسے خیر کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے (۲۰/۱۹۳) اور (۸/۳۹) میں اسے ان رکاوٹوں کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔ جو دینِ خداوندی کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ ایذا، مصیبت اور تکلیف کے معنوں میں (۲۲/۱۱) سزا یا عذاب کے معنوں میں (۳۷/۶۳)، دھوکا اور فریب کے معنوں میں (۲۰/۱۰۲)، فریب خوردہ اور گمراہ کے معنوں میں (۶۸/۶)، سزا دینے کے معنوں میں (۶/۵۳) اور معذرت اور حجت کے معنوں میں اسکا استعمال (۶/۲۳) کیا گیا ہے۔

جہاں تک آزمائش کا تعلق ہے از روئے قرآن بنی نوع انسان کی تخلیق کا مقصد ہی آزمائش ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو مختلف قسم کے مواقع فراہم کرتا ہے جن سے ان کی ذات کی نمود ہو سکے۔ اس کٹھالی سے تمام انسانوں کو بہر صورت گذرنا ہوتا ہے یہ مشیتِ ایزدی کی

Marfat.com

ایک ایسی تقدیر ہے جس سے کسی صورت کسی انسان کو فرار ممکن نہیں ہے۔ موت وحیات کی تخلیق کا مقصد ہی انسانوں کی آزمائش ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ
اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝
(۶۷/۲)

اس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

یہ امر تخلیق ارض وسماوات کے وقت سے ہی معین ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ
اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ
اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (۱۱/۷)

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں خلق کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟

سختی اور آسودگی دونوں اس آزمائش کی مختلف شکلیں ہیں۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ
وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝
(۲۱/۳۵)

ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔

اس آزمائش کا ذریعہ زمین پر اور زمین میں پیدا کی جانیوالی تمام تر اشیاء ہیں۔ بالفاظ دیگر

زمین کی ہر ہر شے انسان کے لیئے ذریعہ آزمائش ہے۔ باالفاظ دیگر پوری حیات ایک جامع آزمائش ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○

(۱۸/۷)

روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو زمین کے لیئے آرائش کا باعث بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔

نہ صرف روئے زمین کی تمام اشیاء بلکہ تمام انسان باہم ایک دوسری کی آزمائش کا ذریعہ ہیں اوراس آزمائش میں بہرحال صبر لازمی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ○

(۲۵/۲۰)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیئے آزمائش بنایا کیا تم صبر کرو گے اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر کوئی مشکل نہ تھا کہ تمام انسانوں کو ایک ہی دستور و منہاج کا پابند کر دیتا۔ اس طرح تمام انسان ایک طریقے اور دستور کے پابند ہو جاتے تاہم مشیت ایزدی کا منشاء جانچ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کی جانے والی تمام تر اشیاء کو ان کی ذات کی نمود و ترقی کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ انسان اپنی ذات کی خود نشو و نما کر سکے۔

Marfat.com

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط
وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ
فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (۵/۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لیئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے اگر اللہ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی مشیت یہ ہے کہ اس نے جو تمہیں دیا ہے اس میں سے تمہیں آزمائے سو تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو۔

اس آزمائش میں مسلمانوں کے لیئے کوئی رعایت یا استثناء نہیں ہے یہاں ایک قانون ہے اور سب کے لیئے ہے اسمیں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

الٓمّٓ ○
اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ ○
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ (۲۹/۱-۳)

الٓمّٓ۔ کیا یہ لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے، چھوڑ دیے جائینگے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے) یقیناً اللہ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کرلے گا جو جھوٹے ہیں۔

ماضی کے نظائر میں قومِ فرعون اور بنی اسرائیل ہیں جنہیں مختلف حوالوں سے جانچا گیا

Marfat.com

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ (۴۴/۱۷)

اوران سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اوران کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے۔

بنی اسرائیل کے متعلق کہا گیا کہ ان کو ایسی نشانیاں دی گئی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝
وَ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ۝

(۴۴/۳۲_۳۳)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے دانستہ منتخب کیا تھا اور ان کو ایسی نشانیاں دیں تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔

مثلاً اس حوالے سے سبت کے دن مچھلی نہ پکڑنے کا حکم بھی ایک آزمائش تھا

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ
اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ
سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ
كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

(۷/۱۶۳)

اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے (شور) کے قریب آباد تھے اسوقت کا حال پوچھیے جبکہ وہ ہفتے کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جبکہ ہفتے کے روز مچھلیاں تو ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتیں ہم ان کی اس طرح آزمائش کرتے تھے کیونکہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کی آزمائش کی یہ سنت آج بھی جاری ہے اس کی شکل کچھ بھی ہو سکتی ہے یہ مال اور اولاد کی شکل میں ممکن ہے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (۶۴/۱۵)

تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

اس کی شکل دشمنوں کا ڈر، بھوک، پیاس اور مال وجان کا خسارہ یا کسی بھی دیگر صورت میں ممکن ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (۲/۱۵۵)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنیوالوں کیلیئے خوشخبری ہے۔

(۳/۱۸۶) میں بھی اس حقیقت کا اعادہ کیا گیا ہے کہ تمہاری مالوں اور نفوس سے آزمائش کی جائے گی۔ دنیاوی آرائشوں کی چیزوں کی دستیابی بھی آزمائش ہی کی ایک شکل ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ (۲۰/۱۳۱)

اور کئی طرح کے لوگوں کو ہم نے دنیا کی آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا تا کہ ان کی آزمائش کریں ان پر نگاہ نہ کرنا اور تمہارے رب کا عطا کیا ہوا رزق بہتر اور

Marfat.com

باقی رہنے والا ہے۔

آزمائش کا مقصد:

جہاں تک اس ہمہ جہت آزمائش کا تعلق ہے اس کے مقصد کی وضاحت بھی خود قرآن مجید میں باصراحت کردی گئی ہے یعنی اس کا مقصد شکر گذاری ہے۔ شکر گذاری سے مراد ایسے اعمال صالحہ ہیں جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔ اور اس کا بالواسطہ اور بلاواسطہ فائدہ انسانی نفس کو ہی ہوتا ہے یہ حقیقت پھر اس امر کی تصدیق ہے کہ آزمائش سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ اللہ کسی کو جاننا چاہتا ہے بلکہ اس کا مقصد انسانی انا/ خودی/ شخصیت کو جو خام حالت میں ہوتی ہے اسے مختلف تجربات وحادثات وواقعات کی کٹھالی سے گذار کر کندن بنانا ہے۔ اس کی تصدیق مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ۝ (۲۷/۴۰)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گذاری کرتا ہوں یا ناشکری، شکر گذار اپنے ہی نفس کے لیئے شکر گذاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور کریم ہے۔

اس آیت کریمہ سے مترشح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اسکا فضل ہیں اللہ کا فضل اس کی

جانب سے آزمائش کا درجہ رکھتا ہے اور آزمائش کا مقصد شکر گذاری ہے اگر انسان اللہ کی جانب سے ملنے والی نعمتوں پر اسکا شکر ادا کرے یعنی ان نعمتوں کو خلق خدا کی بہتری کے لیئے یا اعمال صالح کے لیئے استعمال کرے تو اس سے انسان کے نفس کو فائدہ ہوتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ انسانی زندگی کا بنیادی مقصد اور اس کی کامیابی کا معیار نفس کے توازن کو برقرار رکھنا ہے جو شخص بھی ایسا کرنے میں کامیاب ہوگیا وہ کامیاب و کامران ہے اور جو ایسا نہیں کرسکا وہ خاسر اور ناکام و نامراد ہے۔ اور اس کامیابی کی واحد راہ نیکیوں اور اعمال صالح کی راہ ہے یہی وجہ ہے کہ آزمائش کے عنوان کے تحت بیان کردہ متذکرہ بالا آیات (۲/۶۷)، (۷/۱۱)، (۷/۱۸) اور (۴۸/۵) میں تمام جگہوں پر آزمائش کا ایک ہی مقصد بتایا گیا ہے یعنی اس امر کی جانچ کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے یا یہ کہ تم لوگ نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو تا کہ نفسِ انسانی کی زیادہ سے زیادہ تعمیر ہوسکے جو کہ انسانی زندگی کا مقصود و منتہا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے۔

۸۔ کسی نفسِ انسانی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں کیا جاتا:

اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا یہ بنیادی حقیقت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشادِ خداوندی ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ (۲/۲۸۶)

اللہ کسی نفس کو مشقت میں نہیں ڈالتا ماسوا اس کے کہ اسے اس کی وسعت بھی دی ہو۔

اس مضمون کا اعادہ (۲/۲۳۳)، (۷/۴۲)، (۲۳/۶۲) میں بھی کیا گیا ہے آیت (۲/۲۸۶) کے متذکرہ بالا الفاظ میں سے دو الفاظ پر یہاں خصوصی تدبر لازم ہے یہ الفاظ یکلف اور وسعھا ہیں۔

جہاں تک یکلف کا تعلق ہے اس کا مادہ ک ل ف ہے اس کے معنی کسی کام کو مشقت کے باوجود برداشت کرنے کے ہیں اس سے مراد ہر قسم کی مصیبت یا صعوبت ہوتی ہے جسے بہ وقت بَرداشت کیا جائے۔ دوسری طرف وسعھا کا مادہ وس ع ہے اس کے معنی وسعت، طاقت اور اختیار رکھنے کے ہیں۔ اس سے مراد وہ طاقت ہوتی ہے جو کسی مطلوبہ کام سے زائد ہو۔ اس بنیاد پر آیت (۲/۲۸۶) کے متذکرہ بالا الفاظ کا مفہوم یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کسی بھی نفس کو کسی بھی کام کرنے کی جو صلاحیت / وسعت عطا کرتا ہے اس کے ذمے جو کام لگایا جاتا ہے وہ اس کی صلاحیت سے کم ہوتا ہے۔ با الفاظِ دیگر پہلے کسی نہ کسی حوالے سے کوئی نہ کوئی اضافی اہلیت / صلاحیت اللہ کی جانب سے عطا کی جاتی ہے پھر اس صلاحیت اور اہلیت کے مطابق کام اس نفس سے لیا جاتا ہے تاہم جو کام بھی اللہ تعالیٰ اس سے لیتا ہے وہ اپنی عطا کردہ صلاحیت سے کم ہی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا رہنا چاہیئے کہ:-

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا
أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا ۖ وَاغْفِرْ لَنَا ۖ وَارْحَمْنَا ۖ أَنتَ
مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (۲/۲۸۶)

Marfat.com

اے ہمارے رب اگر ہم سے بھول چوک ہوگئی ہوتو ہم سے مواخذہ نہ کر۔ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا اے ہمارے رب جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھ اور اے ہمارے رب ہمارے گناہوں سے درگذر فرما ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے، اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما۔

یہاں توجہ طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی نفس / انسان پر بوجھ ڈالنے سے کیا مراد ہے؟ اور دوم یہ کہ جب اللہ کی ذات ایک کامل ذات ہے وہ کسی بھی قسم کی حاجت یا ضرورت یا احتیاج سے مکمل ماورا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں باصراحت متعدد دفعہ اپنی ذات کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا تو آخر وہ انسانوں پر بوجھ کیوں ڈالتا ہے؟

اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ انسان پر بوجھ ڈالنے سے خود انسانی نفس / ذات کی نشو ونما ہوتی ہے اس میں خالقِ کائنات کی ظاہر ہے اپنی کوئی حاجت نہیں۔ اس سے حاجت یا ضرورت کا تصور تک منسوب نہیں ہوسکتا۔ وہ اس لیئے انسانوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں خود نفسِ انسانی یا انسانی ذات کی ترقی یا نشو ونما ہوتی ہے۔

۹۔ نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ:

قرآن مجید انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء یعنی انسان اور اللہ کی جانب سے عطا کیئے جانے والے نفس، نفس انسانی کے حوالے سے تین مختلف اصطلاحات استعمال کرتا ہے یعنی نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ۔ ان تینوں کی مختصراً وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

Marfat.com

نفسِ امارہ:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے انسانی شخصیت کے جزو اول انسانی شعور کی دو سطحیں ہیں اول حیوانی سطح دوم انسانی سطح۔ حیوانی سطح پر نفسِ انسانی کا کل مطمع نظر صرف اور صرف جسمانی ضروریات کی تکمیل اور حصولِ لذت ہوتا ہے جسے نفسِ امارہ کہا جاتا ہے۔

نفسِ امارہ کا بنیادی مقصد جسمانی حاجات کی ہر صورت تکمیل کے ساتھ ساتھ لذت کا حصول ہوتا ہے۔ نفسِ امارہ کا کردار اس حوالے سے اس وقت مکمل منفی ہو جاتا ہے جب انسان خود اپنے منفی اعمال کی وجہ سے اس درجہ گر جائے کہ اللہ کی رحمت اس سے منہ موڑ لے۔ اس صورت میں نفسِ امارہ کا کام صرف اور صرف برائیوں کی جانب راغب کرنا رہ جاتا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۱۲/۵۳)

اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفسِ (امارہ) برائی پر ابھارنے والا ہی ہے الا یہ کہ میرا رب ہی رحم کرے میرا رب یقیناً غفور اور رحیم ہے۔

اس امر سے قطع نظر کہ اس آیت میں منقول بیان کس کا ہے یہ آیت اپنی جگہ پر نفس (امارہ) کے متعلق ایک بنیادی حقیقت کا بیان ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دائرہ رحمت میں رکھے تو بات الگ ہے لیکن اگر انسان اپنے اعمالِ بد سے خود کو اس کی رحمت سے دور کر لے تو نفس (امارہ) کا کام صرف اور صرف برائی کی ترغیب دینا رہ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیئے نفس (امارہ) انسانی اعمال بد کو انسان کے سامنے خوبصورت کر کے دکھاتا ہے، وہ انسانوں کو خود غرضی کی جانب مائل کرتا ہے، مختلف نوعیت کے وسوسے پیدا کرتا ہے،

Marfat.com

انسانوں کو عدل کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، انسانوں کو اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی پر اکساتا ہے اور دنیا کو اس انداز میں پرکشش بنا کر پیش کرتا ہے کہ انسان صرف اور صرف دنیاوی مفادات کا اسیر ہو جاتا ہے اور زندگی کے اصل مقصد یعنی اخروی کامیابی کے حصول سے لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس (امارہ) انسان کی مکمل تباہی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ تاہم قندِ مکرر کے طور پر یاد رکھیئے کہ انسان کو اپنے نفس پر مکمل قدرت حاصل ہے انسان اگر چاہے تو ان نفسانی خواہشات پر مکمل کنٹرول حاصل کر سکتا ہے اور راہِ ہدایت کا مسافر بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ خود ایسا کرنا چاہے اگر وہ خود ہی نہ کرنا چاہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟

اس حوالے سے ایک دوسرا اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ جب انسان نفسِ امارہ کا غلام بن جاتا ہے تو شیطان بھی اس کا اس راہ میں ہمقدم بن جاتا ہے۔ شیطان کا تو مقصد ہی بنی نوع انسان کی تباہی ہے اور اس تباہی کی راہ پر اگر انسان خود ہی چلنا شروع کر دے تو شیطان اس کو مزید ورغلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ اس طرح تباہی کا نشہ دو آتشہ ہو جاتا ہے اور انسان حتمی طور پر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ لیکن یہ راہ اس کی خود اختیار کردہ ہوتی ہے اپنے حتمی تجزیے میں روزِ قیامت انسان خود تسلیم کرے گا کہ اپنی تباہی کا وہ خود ذمے دار ہے۔

ان دونوں حوالوں سے کہ نفس کس طرح انسان کو ورغلاتا ہے اور کس طرح شیطان اس کو مزید تباہی کی جانب لے جاتا ہے اس پر مفصل بحث پانچویں باب میں کی گئی ہے۔

نفسِ لوامہ:

نفسِ انسانی، انسانی شخصیت کا دوسرا جزو جو انسان کو بطور امانت متوازن حالت میں اللہ کی جانب سے عطا ہوتا ہے وہ انسان کو اس کے افعال بد پر مسلسل ٹوکتا رہتا ہے۔ نفسِ انسانی کا

Marfat.com

یہ پہلو نفسِ لوامہ کہلاتا ہے۔

لوامہ کا مادہ ل وم ہے جس کے بنیادی معنی ہیں ملامت کرنا، کسی کو برا بھلا کہنا۔ قرآن مجید میں اسے متعدد مقامات پر انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مثلاً:

فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۱۴/۲۲) تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفوس کو ملامت کرو۔

لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (۵/۵۴) وہ کسی ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

مَلُوْم (۵۱/۵۴) ملامت کیا ہوا۔

مُلِیْم (۳۷/۱۴۲) قابل ملامت

یَتَلَاوَمُوْنَ (۶۸/۳۰) ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ وغیرہ

بطور اصطلاح یا نفس کی ایک خاص کیفیت یا صورتحال کے حوالے سے اس کا بیان سورۃ القیمۃ میں آیا ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ (۷۵/۲)

اور میں قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو۔

قسم، دلیل یا شہادت کو کہتے ہیں جو حق اور باطل کو الگ الگ کر کے رکھ دے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نفسِ لوامہ کی قسم کھائی ہے یعنی ملامت کرنے والا نفس۔

یہ ہمارا ایک عام مشاہدہ ہے کہ ایک انسان جب کوئی غلط فعل انجام دیتا ہے تو اس کے اندر ایک ندامت کا احساس جاگتا ہے جو اسے اس فعل پر ندامت کا احساس دلاتا ہے اسے

Marfat.com

ضمیر(Conscience) کہا جاتا ہے۔تاہم یہاں یہ واضح رہے کہ ضمیر کی آواز حق وباطل کے مابین معیار نہیں بن سکتی کیونکہ بنیادی طور پر یہ وہ احتجاج ہے جو نفس انسان کے خلاف کرتا ہے انسان جو بھی افعال انجام دیتا ہے ان کا براہ راست اثر نفس پر پڑتا ہے۔ اچھے افعال یا اعمال صالح سے نفس کی نشوونما ہوتی ہے یا اس کا توازن مستحکم ہوتا ہے جبکہ افعالِ بد یا نفس پر ظلم سے اس کا توازن بگڑتا ہے۔انسان جب کوئی ایسا فعل انجام دیتا ہے جو نفس پر ظلم کے زمرے میں آتا ہو تو اپنے توازن کے بگڑنے پر نفس انسان کو جو اذیت دیتا ہے وہ کیفیت نفس لوامہ کہلاتی ہے۔نفس کا یہ حصہ چونکہ خالصتاً اللہ کی امانت ہے لہٰذا وہ کسی برے فعل کو قبول ہی نہیں کرسکتا۔ یہاں واضح رہے کہ نفس کا یہ احتجاج صرف ان افعال پر ہوتا ہے جو انسان ظلم کی شکل میں انجام دیتا ہے۔قران مجید میں باصراحت ان افعال کا بیان موجود ہے جنہیں ظلم قرار دیا گیا ہے۔(اسی طرح ان افعال کی تفصیل بھی قرآن مجید میں دی گئی ہے جو اعمال صالح کہلاتے ہیں دیکھیئے تیسرا باب) بنیادی طور پر نفس ظلم قرار دیئے جانے والے افعال کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے جو اس کا اصل فریضہ بھی ہے۔ تاہم یہ بھی ایک عام مشاہدہ ہے کہ نفس کا یہ احتجاج صرف انہی افعال کے خلاف نہیں ہوتا جنہیں قرآن مجید فرقان حمید میں ظلم قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ کیفیت عام سماجی رسوم ورواج، غلط سلط تصورات، من گھڑت عقائد، بے بنیاد تصورات کی خلاف ورزی سے بھی پیدا ہو جاتی ہے مثلاً ایک ہندو اگر اپنے مذہبی تصورات کے خلاف گائے کا گوشت کھاتا ہے تو بھی وہ اپنے اندر ملامت کا احساس پاتا ہے اس ملامت کی شدت افراد کے لحاظ سے کم وبیش ہوسکتی ہے تاہم ہوتی ضرور ہے۔اسی طرح سے دیگر افعال بھی جو اس فہرست میں قطعی طور پر

نہیں آتے جنہیں قرآن نے ظلم قرار دیا ہے ایسے افعال کو اگر سماجی اور مذہبی تقدس بخش دیا گیا ہو تو ان کی خلاف ورزی پر بھی انسان اپنے اندر اسی طرح کی خلش محسوس کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟

باالفاظِ دیگر سوال یہ ہے کہ اگر نفس کا احتجاج صرف ان افعال تک محدود ہے جنہیں قرآن نے نفس پر ظلم قرار دیا ہے تو نفس عام سماجی، تہذیبی، معاشرتی بلکہ من گھڑت تصورات اور بے بنیاد عقائد کی خلاف ورزی پر کیوں خلش پیدا کرتا ہے؟ اس سوال کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ انسان خود نفس کو گمراہ کرتا ہے۔ ایک انسانی بچہ جس ماحول میں آنکھ کھولتا ہے جن عقائد، تصورات، اعتقادات، رواجوں کو "مقدس" گردانتا ہے تو اپنے نفس کے گرد بھی وہی ہالا تان دیتا ہے۔ قندِ مکرر کے طور پر یاد رکھیئے کہ انسان کو اپنے نفس پر مکمل قدرت حاصل ہے لہٰذا انسان اسے ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتا ہے اور نفس اسی ماحول میں اپنا بنیادی فریضہ انجام دینے لگتا ہے یعنی اگر انسان مروجہ تصورات، خیالات، عقائد یا سماجی اور مذہبی تصورات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا نفس اسے اسی طرح ملامت کرنے لگتا ہے۔ باالفاظِ دیگر انسانی نفس اپنا اصل فریضہ بدستور انجام دے رہا ہوتا ہے لیکن خود انسان اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس طرح نفس لوامہ اپنا اصل کام تو بالکل صحیح انداز میں کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کا پس منظر مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ریلوے کے کانٹا بدلنے والے سے دی جا سکتی ہے اگر ایک خاص مقام پر کسی ٹرین کا کانٹا، کانٹا بدلنے والے نے غلط تبدیل کر دیا ہو تو ٹرین، اس کا ڈرائیور اور دیگر تمام چیزیں بدستور وہی رہتی ہیں لیکن ٹرین، اپنی اصل منزل سے لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ وہ صورتِ حال ہے جب انسان خود اپنے نفس کو آپ ہی گمراہ کرتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۳/۶۹)

بعض اہل کتاب اس امر کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ کر دیں مگر انہوں نے اپنے نفوس کو گمراہی میں ڈالا ہوا ہے اور اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔

قرآن مجید کی یہ آیت متذکرہ بالا استدلال کا بین ثبوت ہے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ماسوا قرآن مجید دنیا میں کوئی الہلامی کتاب اپنی اصل حالت میں موجود نہیں۔ لہٰذا ماسوا قرآن مجید عقائد و نظریات کی جو بھی عمارت تعمیر کی جائے گی وہ انسانوں کے اپنے خیالات و نظریات تو ہو سکتے ہیں انہیں وحی کی تائید بہر حال حاصل نہیں۔

مستقل اخلاقی اقدار کا سرچشمہ صرف قرآن مجید ہے:

اس حوالے سے تاریخ سے کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جہاں انسانوں نے اپنے خود ساختہ نظریات کو اخلاق یا اخلاقی اقدار کا نام دے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اقوام میں مختلف ضوابط اخلاق پائے جاتے ہیں۔ ایک امر ایک قوم میں قابلِ تحسین ہے تو وہی امر دوسری قوم میں معیوب۔ مثلاً تاریخ میں ایسے قبائل بھی گزرے ہیں جہاں ماں باپ کو کھا جانا ایک مقدس مذہبی فریضہ متصور ہوتا تھا۔ بعض اقوام میں بد یانتی ایک قابل فخر فعل شمار کی جاتی رہی ہے جن میں ہندوستان کے ٹھگوں کی مثال بھی دی جا سکتی ہے، قدیم یونان کی ریاست اسپارٹا میں چوری بہت بڑی خوبی سمجھی جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پوری دنیا میں غلامی کا رواج عام تھا جسے اسلام نے ختم کیا۔ امریکہ میں یہ گزشتہ صدی تک موجود تھی۔ گویا اخلاق ہمیشہ اپنے ماحول سے جنم لیتا ہے یا یوں کہ لیجئے کہ اخلاقی ضوابط محض معاشرہ کے رسوم و رواج ہوتے ہیں جو بتدریج مسلمات کا مقام حاصل کر لیتے ہیں

Marfat.com

اورانسان انہی کواخلاقی اقدار تصور کرنے لگتا ہے۔

تاہم یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ صرف ان نام نہاد رسوم کی پابندی کوئی معیار نہیں ہے۔کوئی بھی شخص جوفی الواقعہ انسانی سطح پر زندگی گذارنا چاہے اسے مروج اخلاقیات کا تنقیدی جائزہ لیتے رہنا چاہیئے تا کہ انکی اصلاح ہوتی رہے۔معاشرتی رسوم ورواج میں اصلاح کی یہی واحد صورت ہے۔اس کی بین مثال مردم خوری، انسانی قربانی اورانسانی شکار جیسے معاملات ہیں جو پہلے عقائد کا درجہ رکھتے تھے تاہم بعد کے انسانوں کے احتجاج سے بتدریج ختم ہوتے چلے گئے۔

اس کے ساتھ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ بظاہر ایک فرد جس معاشرہ میں ہوش سنبھالتا ہے اس کے رسوم ورواج میں اپنے آپ کو پابند پاتا ہے لیکن درحقیقت انسان اپنے اعمال کو سوسائٹی کے معیارات سے نہیں بلکہ اپنے داخلی تصورات سے ناپتا ہے۔کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا معاشرہ کوئی نوٹس نہیں لیتا لیکن فرد ذاتی طور پر انہیں برا محسوس کرتا ہے یا الفاظ دیگر ماحول انسان کو نہیں بدلتا بلکہ انسان ماحول کو تبدیل کرتا ہے اور اس طرح سے ماحول علت (Cause) نہیں بلکہ معمول (Effect) بن جاتا ہے. یعنی فطرت انسان کو نہیں بلکہ انسان فطرت کو متاثر کرتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ذہن میں رکھئے کہ داخلی اخلاقی شعور جسے ضمیر کہا جاتا ہے وہ بھی کوئی ٹھوس معیار نہیں ہے۔انسان کو چونکہ ضمیر (اللہ کی جانب سے عطا ہونے والے نفس) پر برتری حاصل ہے لہذا انسان نفس لوامہ کے اثرات کے تحت نفس کو گمراہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے فیصلے لحظہ بہ لحظہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اسی طرح

Marfat.com

انسانی شعور اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس قسم کا کوئی فیصلہ کر سکے کہ کیا اچھا ہے یا کیا برا ہے۔ اس حوالے سے مثالیں پیچھے دی جا چکی ہیں کہ کس طرح انسان آج ایک چیز کو اخلاق کے دائرے میں لاتا ہے کل اسے چھوڑ دیتا ہے۔ آج مغرب کا اخلاقی معیار یہ ہے کہ لواطت جائز ہے لیکن کیا کوئی بھی عقل سلیم کا حامل شخص اسے قبول کر سکتا ہے؟

لہذا اخلاقی اقدار نہ داخلی ہو سکتی ہیں نہ خارجی یعنی نہ ضمیر کی بنیاد پر اور نہ عقل کی بنیاد پر ان کا تعین ممکن ہے۔ یہ امر بذات خود اس امر کا غماز ہے کہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں کوئی مطلق اخلاقی معیار لامحالہ ہونا چاہیئے اور جو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہو جو یقیناً مادی اشیاء میں موجود نہیں ہو سکتا. اس کے لئے لامحالہ یہ ماننا ضروری ہے کہ:

الف) یہ کائنات بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی بلکہ اس کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔

ب) یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ نفسِ انسانی ایک مستقل حقیقت ہے جو جسمانی تغیرات سے ماورا ہے۔

ج) تمام انسانی افعال اس کے شعوری فیصلوں کا نتیجہ ہوتے ہیں جنکی ذمے داری بھی انسانوں پر عائد ہوتی ہے اور یہ افعال اس کے حال اور مستقبل دونوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر حیات کا تسلسل یا حیات بعد الموت کا تسلیم کیا جانا لازمی ہے۔

د) اور یہ سب کچھ اللہ پر ایمان کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اگر خدا کو تسلیم نہ کیا جائے تو دنیا میں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مستقل اقدار کا سرچشمہ کیا ہے؟ اس کا سیدھا سادا جواب ہے وحی الٰہی یا قرآن مجید فرقان حمید۔ اس اُم الکتاب کے علاوہ آپ کو کہیں سے یہ اخلاقی اقدار مل ہی نہیں سکتیں کیونکہ انسانی فکر ان مستقل اخلاقی اقدار کا تعین نہیں کر سکتی۔ قدیم

Marfat.com

یونان میں یہ اقدار عقل، جرأت، ضبط اور عدل تھیں۔ آج کے دور میں ہر مفکر کے نزدیک یہ الگ الگ ہیں ان میں کچھ مشترک بھی ہیں تاہم آج تک کوئی ایسی فہرست مرتب نہیں ہوسکی جسے تمام انسانیت کی مشترکہ اخلاقی اقدار کہا جاسکے اور نہ ہی کبھی ایسا ممکن بھی ہوسکے گا: کیونکہ اول تو اس فہرست کا تعین ممکن نہیں دوم اگر بالفرض محال ایسا ہو بھی جائے تو ان اقدار کی تعریف (Definition) ممکن نہیں ہوسکے گی۔ لہذا یہ طے ہے کہ مطلق اخلاقی اقدار صرف اور صرف خدا کی جانب سے مل سکتی ہیں اور الہامی کتابوں میں اس وقت سوائے قرآن مجید فرقان حمید کے کوئی بھی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے۔ لہذا مطلق اخلاقی اقدار کا سرچشمہ صرف اور صرف یہی کتاب ہوسکتی ہے۔ اس سے ماسوا کچھ نہیں۔ اسی بنیاد پر اس طرح کے وہ تمام افکار و خیالات جنہیں وحی کی تائید حاصل نہ ہو وہ انسانوں کے من گھڑت تو ہوسکتے ہیں حق نہیں اور ان کی حیثیت تارِ عنکبوت سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔ یہود و نصاریٰ کی بنیادی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ اہل حق کو بھی ان کی ٹھوس بنیاد سے ہٹا کر ان کے اپنے لات و منات کی دنیا میں لے آئیں جس کی کوئی اساس نہیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنے نفوس کو خود گمراہ کیا ہے اور اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔

یہ صورتحال صرف یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں اس دنیائے رنگ و بو میں شیطان نے ایسے کئی دلآویز بتوں کو تراش کر انسانوں کے سامنے انہیں اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ ان کی کشش آفرینی میں کھو کر حق سے گمراہ ہوگئے ہیں اور اسی سحر کو حق سمجھ بیٹھے ہیں۔ وہ اپنی اسی دنیا میں مست ہیں اسی کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور اس طرح اپنے نفوس کو بدترین دھوکہ دے رہیں ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔

یاد رکھیئے حق صرف اور صرف قرآن ہے اس سے ماسوا کچھ نہیں۔ جس چیز کو قرآن حق قرار دے

Marfat.com

صرف وہی حق ہے باقی سب دفتر بے معنی ہے جسے غرق مے ناب اولیٰ ہونا ہے۔ایسا آج نہیں تو کل ہوجائے گا اس سے مفر نہیں ہے۔ گویا قرآن کے علاوہ کسی کو معیار حق قرار دینا اپنے نفس کو دھوکہ دہی کے مترادف ہے اس طرح انسان اپنے نفوس کو یہ باور کرواتا ہے کہ وہ جن باطل عقائد، تصورات، رسوم ورواج کا پیروکار ہے وہی حق ہے اور نفس اس بنیاد پر ان کی خلاف ورزی پر انسان کو ٹوکنا شروع کر دیتا ہے یہ وہ دھوکہ ہے جو انسان خود اپنے نفوس کو دیتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۲/۹)

وہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر اپنے نفوس کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور سمجھتے نہیں۔

انسان کی اس قسم کی تمام تدبیریں خود ان انسانوں کے اپنے نفس کے خلاف ہی جاتی ہیں اور انسان بے سمجھے بوجھے اس راہ پر اندھا دھند چلتا جاتا ہے۔

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (۶/۱۲۳)

وہ اپنے نفس کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں پر شعور نہیں رکھتے۔

گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

۱) صرف اور صرف قرآن ہی معیارِ حق و باطل ہے اسی کی روشنی میں حق و باطل کا تعین ہوسکتا ہے۔ جس چیز کو قرآن نے اعمالِ صالح کہا صرف وہی اعمال حسنہ ہیں اور وہی افعال ظلم قرار پائیں گے جنہیں قرآن نے ظلم قرار دے دیا ہو۔

۲) اس معیارِ حق (قرآن) کے علاوہ جو بھی معیار قرار دیا جائے گا وہ باطل ہوگا۔ انسان اس قسم کے معیارات متعین کر کے خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے۔ لہذا اگر

Marfat.com

انسانی نفس باطل قسم کے معیارات میں آنکھ کھولے گا تو ان معیارات کی خلاف ورزی پر انسان کو ٹوکنا شروع کر دے گا۔اس طرح انسان خود نفس کو اس طرح دھوکا دیتا ہے کہ اس کے سامنے باطل معیارات لا کر رکھ دیتا ہے جبکہ نفس اپنا فریضہ بہ حسن وخوبی انجام دے رہا ہوتا ہے لیکن اگر اس کے سامنے معیارات ہی غلط ہوں تو ظاہر ہے اس میں قصور نفس کا نہیں معیارات بنانے والے انسان کا ہے۔

عملی جانچ:

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید کا بنیادی مخاطب انسان ہے۔اللہ انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانا چاہتا ہے اسی وجہ سے غلط افعال کے جو منفی نتائج نفس پر مرتب ہوتے ہیں انہیں قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے جن پر آئندہ ابواب میں بحث کی گئی ہے اور ظاہر ہے یہ ایسے نتائج ہوں گے جنہیں جانچا جا سکتا ہوگا۔انسان چونکہ محسوسات کا خوگر ہے لہذا لامحالہ یہ نتائج ایسے ہوں گے جو انسانی دائرہ احساس میں داخل ہوں گے۔اب اگر ان منفی افعال کے اثرات کی انسانی نفس پر جانچ کی جائے تو لامحالہ نتائج وہی ہوں گے جو قرآن مجید میں بیان کیئے گئے ہیں۔سائنس آج تک کسی قرآنی حقیقت کی تردید نہیں کر سکی ہے بلکہ الٹا قدم بہ قدم اس کی تصدیق کرتی چلی جا رہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن منفی افعال کے جو نتائج بیان کرتا ہے وہ غلط ہوں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

دوسری طرف انسانوں کے من گھڑت تصورات، عقائد، رسوم ورواج کی خلاف ورزی کے نتائج کی بھی نفسِ انسانی پر جانچ کر لی جائے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ایک طرف خدائی احکامات کی خلاف ورزی کے نتائج سامنے آجائیں گے تو دوسری طرف انسانوں کے خود ساختہ تصورات، عقائد اور رسوم ورواج سے بغاوت کے نفسِ انسانی پر

اثرات کی جانچ ہو جائے گی اور ثابت ہو جائے گا صرف قرآن ہی سچ ہے باقی سب باطل ہے۔ تاہم بدقسمتی سے اس حوالے سے چونکہ کوئی تحقیق سائنسی انداز میں نہیں ہوئی ہے لہذا اس بابت عملی نتائج پیش نہیں کیئے جا سکتے۔ تاہم آنے والے وقت میں جب اس حوالے سے تحقیق ہو گی تو وقت خود ہی قرآن کی سچائی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دے گا۔ اس حوالے سے تو قرآن خود دعوت تحقیق دے رہا ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ
وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۱/۲۰-۲۱)

اور زمیں میں یقین رکھنے والوں کے لیئے بہت سی نشانیاں ہیں اور تمہارے اپنے نفوس میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔

اور وہ وقت انشاء اللہ جلد آنے والا ہے جب وقت خود ثابت کرے گا کہ صرف قرآن ہی حق ہے۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝
(۴۱/۵۳)

ہم عنقریب ان کو آفاق میں اور خود ان کے اپنے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے کیا تمہارے لیئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر شے کا نگراں ہے۔

نفسِ لوامہ اصل فریضہ نہیں بھولتا

یہاں اس حوالے سے ایک اور امر کی صراحت بھی لازمی ہے اور وہ یہ کہ کسی قسم کے باطل

معیارات کی موجودگی میں ایسا نہیں ہوتا کہ نفس لوامہ ان افعال کے خلاف جنہیں قرآن نے ظلم قرار دیا ہے اپنا روک ٹوک کا فریضہ بھول جائے ایسا نہیں ہوتا اور ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں بھی جبکہ نفس تمام جگہوں سے باطل معیارات میں گھرا ہوا ہو ایسے افعال جنہیں قرآن نے ظلم قرار دیا ہے اگر انسان وہ افعال انجام دے تو نفس کا احتجاج ختم نہیں ہوتا وہ اس قسم کے افعال کے خلاف بدستور اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتا چلا جاتا ہے۔ یعنی اس صورت میں وہ دُھرا کام کر رہا ہوتا ہے یعنی ایک طرف انسان اگر اپنے خودساختہ معیارات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے ٹوکتا ہے تو دوسری طرف وحی کی جانب سے دائرہ ظلم میں آنے والے افعال کی انسانوں کی جانب سے انجام دہی پر بھی انسان کو ملامت کرتا ہے۔ یاد رکھیئے کوئی بھی فعل جواز روئے قرآن ظلم میں شامل ہے وہ انسانی نفس کا توازن کسی نہ درجے بگاڑتا ضرور ہے۔ اور جب یہ توازن بگڑتا ہے تو اس کا کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں اظہار ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً جھوٹ ایک فعل بد ہے۔ اس کا فوری نتیجہ بلڈ پریشر میں اضافے کی شکل میں نکلتا ہے۔ اس مظہر کی بنیاد پر اب ایسے آلات دستیاب ہیں جن کی مدد سے انسانی جھوٹ کو پکڑا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے دیگر افعال کا معاملہ ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض اوقات یہ بیان دیا جاتا ہے کہ ایسے لوگ جو کسی منفی سرگرمی میں مسلسل ملوث رہے ہوں ان کا نفس انہیں کوئی ملامت نہیں کرتا اور وہ بغیر کسی اندرونی دباؤ کے وہ منفی سرگرمی انجام دیئے چلے جاتے ہیں مثلاً ایک کرائے کا قاتل ہے وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اسے قتل کے کتنے پیسے مل رہے ہیں وہ صرف رقم دیکھتا ہے اور قتل پہ قتل کیئے چلا جاتا ہے یا اسی طرح کوئی چور

Marfat.com

ہے وہ مسلسل چوری کیئے چلا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ انہیں یا اس قسم کے دیگر افراد کو ان کا نفس کچھ نہیں کہتا۔

ایسا نہیں ہے بلکہ قطعی نہیں ہے۔ کوئی بھی انسان جب بھی کوئی ظلم پہلی بار کرتا ہے اسے نہ صرف اپنے نفس کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ اسے مختلف حوالوں سے، مختلف حالات و واقعات کے ذریعے انتباہی علامات ضرور دیتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ انسان ان انتباہات کو سمجھ لے اور باز آجائے۔ اپنے بُرے افعال پر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ یقیناً غفور اور رحیم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۫ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳/۱۳۵)

ہاں ان لوگوں کے لیئے جو کسی برا کام کرنے کی صورت میں یا اپنے نفس پر ظلم کرنے کی صورت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور استغفار چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا کون قصور معاف کرسکتا ہے اور اپنے افعال پر دانستہ ضد نہیں کرتے۔

تاہم ان انتباہات یا اللہ کی نشانیوں اور نفس کی مزاحمت کا سلسلہ لامتناہی بہر حال نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ایک مخصوص مدت یا حد تک رہتا ہے اس کے بعد نفس کی مزاحمت ختم ہو جاتی ہے اور انسان مکمل تاریک راہوں کا مسافر بن جاتا ہے جہاں شیطان اس کا ہر وقت کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ (۴۳/۳۶)

اور جو کوئی رحمٰن کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے ہم اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ہر وقت کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

تا آنکہ نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ قلب و نظر پر اللہ کی جانب سے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور پھر واپسی کی راہیں کم و بیش مسدود ہو جاتی ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ (۱۸/۵۷)

اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہے جسے اسے رب کے نشانات (علامات) کے ذریعے سمجھایا گیا ہو تو اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جو اعمال وہ آگے کر چکا ہے اس کو بھول گیا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل (پیدا کر دیا کہ سن نہ سکیں) اور اگر تم ان کو (سیدھے) راستے کی طرف بلاؤ تو بھی سیدھے راستے پر نہ آئیں گے۔

اس مرحلے کے بعد قانونِ فطرت یہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں پر ہر چیز کے دروازے کھول دیتا ہے یہاں تک کہ ایسے لوگوں کو مالا مال کر دیتا ہے اور جب وہ اس پر مکمل خوش ہو جاتے ہیں تو اللہ کا قانونِ مکافاتِ عمل انہیں ہر طرف سے گھیرے میں لے لیتا ہے پھر ان کے لیئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔

Marfat.com

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ (۶/۴۴)

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جوان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر ہر شے کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جوان کی دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔

لہذا یہ کہنا کہ ایسے لوگ جو تاریک راہوں کے مسافر ہوں انہیں انکا نفس لوامہ کچھ نہیں کہتا قطعی غلط ہے وہ اپنا فرض بخوبی نبھاتا ہے تاہم وہاں تک جہاں تک انسان اس کی بات سننے پر تیار ہو لیکن اگر انسان خود ہی عقل و شعور کے دروازے بند کر لے تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟

ایک سطحی تضاد اور اس کا حل

اس مرحلے پر ایک سطحی تضاد کا رفع کیا جانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ایک جانب نفسِ امارہ ہے جو انسانوں کو برائی کی جانب راغب کرتا ہے اور دوسری جانب نفسِ لوامہ ہے جو انسانوں کو برائیوں کی جانب رغبت پر ٹوکتا اور احساس ندامت پیدا کرتا ہے۔ ایک ہی نفس کے دو مختلف بلکہ متضاد کردار کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہ تضاد دراصل صورتِ حال کو سطحی انداز میں لینے سے پیدا ہوتا ہے نفسِ امارہ اگر ایک طرف برائی کی جانب راغب کرتا ہے تو یہ اس کی فطرت نہیں بلکہ اس کا یہ عمل صرف اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے اعمالِ بد کے نتیجے میں اللہ کی رحمت کا سزاوار نہیں رہتا ورنہ اگر اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو نفسِ امارہ کا منفی کردار انسان کے تابع رہتا ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الیوسف کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ
اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۭ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (۱۲/۵۳)

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے ماسوا اس کے کہ میرا رب ہی اپنا رحم کرے یقیناً میرا رب غفور اور رحیم ہے۔

یہ قول جس کی تردید پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں کی گئی اس امر پر شاہد ہے کہ نفس امارہ اس وقت برائیوں پر ابھارتا ہے جب اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہو۔ اگر اللہ کی رحمت شامل ہو تو ظاہر ہے نفس امارہ انسان کو ورغلا نہیں سکتا۔ اللہ کی رحمت ہر حال میں شامل حال ہوتی ہے تاہم جیسا کہ عرض کیا گیا اگر انسان خود ہی ایسا نہ کرنا چاہے اور خود اس کی رحمت سے منہ موڑ کر شیطان کا ہمقدم بن جائے تو اللہ یقیناً تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اس کی رحمت انہی کے شامل حال ہوتی ہے جو خود ایسا چاہیں جو خود ہی نہ چاہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفس کا منفی کردار (نفسِ امارہ) اس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان خود اسے ایسا کرنے کی اجازت دے اور شیطان کا ساتھی بننا چاہے تو نفس اسے اس سمت لے جاتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ نفسِ امارہ یا نفسِ لوامہ باہم متضاد کیفیتیں ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تضاد صورتِ حال کو سطحی انداز میں لینے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ درحقیقت نفس کا کردار تعمیری اور مثبت ہے۔

نفسِ مطمئنہ

نفسِ انسانی کی یہ تیسری کیفیت ہے بلکہ اسے کیفیت کی بجائے درجہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ وہ صورتِ حال ہوتی ہے جب انسان اپنے رب سے اور اس کا رب اپنے بندے سے راضی ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝
وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (۸۹/۲۷-۳۰)

اے اطمینان والے نفس! لوٹ چل اپنے رب کی طرف وہ تجھ سے راضی تو اس سے راضی پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

نفس مطمئنہ سے مراد تسکین قلب کی ایسی کیفیت ہے جو علم و فکر، دلائل و براھین اور مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہو۔ قرآن مجید میں اطمینانِ قلب کو اکراہ کی ضد قرار دیا ہے۔ اکراہ کے معنی زبردستی اور جبر کے ہیں۔ اس کی وضاحت سورۃ النحل کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ
مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۱۶/۱۰۶)

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے کہ جس پر جبر کیا جائے اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اس کی مزید صراحت سورۃ البقرہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اللہ سے گفتگو کے حوالے سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اللہ سے کہا مجھے بتا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ نے کہا کیا تیرا اس پر ایمان نہیں؟ انہوں نے جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں (۲/۲۶۰)۔ بالفاظِ دیگر اطمینانِ قلب یا تسکینِ قلب کی ایک ایسی کیفیت جو علی وجہ البصیرت ہو۔ اس بنیاد پر نفس مطمئنہ سے مراد ایمان کا دل

کی کامل رضامندی سے ماننا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ جب اللہ پر ایمان کی یہ کیفیت ہوگی تو لامحالہ احکام الٰہی کی اطاعت وفرماں برداری بھی اپنے کمال پر ہوگی۔ کیونکہ انسان مکمل ایمان کیساتھ احکام الٰہی کی کامل تابعداری کر رہا ہوگا اور احکام الٰہی کی اطاعت کا لازمی نتیجہ وہ جنت ہے جس کا اس قسم کے قلب سلیم کے حامل نفوس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ ایمان کامل اور اطاعت کی وہ آخری منزل ہے جس حد تک کوئی انسان جا سکتا ہے۔

۱۰۔ انسانی موت وحیات انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء کی علیحدگی اور ملاپ کا نام ہے

گذشتہ مباحث میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ از روئے قرآن انسانی شخصیت دو (۲) اجزاء کا مجموعہ ہے۔ اس امر کیساتھ یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھیئے کہ قرآن مجید ہی کی رو سے موت ان اجزاء کی علیحدگی کا نام ہے۔ بالفاظِ دیگر جب یہ اجزاء باہم ملتے ہیں تو حیات جنم لیتی ہے اور جب انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے تو انسانی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کا سادہ سا ثبوت سورۃ التکویر کی مندرجہ ذیل آیات سے ملتا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝
وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝
وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝
وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝
وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝
وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝
وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝
بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝
وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝

(۸۱/۱-۱۰)

Marfat.com

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے جب بیانے والی اونٹیاں بے کار ہو جائیں گی اور جب وحشی جانور جمع کیئے جائیں گے جب دریا آگ ہو جائیں گے جب نفوس کے جوڑے ملا دیئے جائیں گے اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا کہ وہ کسی گناہ پر ماری گئی اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے۔

ان آیاتِ کریمہ کا تذکرہ بعنوان 'انسانی شخصیت دو اجزاء کا مرکب ہے' کے تحت کیا جا چکا ہے وہاں مدارِ بحث یہ نکتہ تھا کہ انسان دو اجزاء کا مرکب ہے تاہم یہاں یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ آیات اس امر پر بھی شاھد ہیں کہ انسانی موت انہی اجزاء کی علیحدگی اور حیات انہی کے ملاپ کا نام ہے۔ اس مقصد کے لیئے پہلے متذکرہ بالا سورۃ کی ابتدائی چھ آیات پر غور کیجئے یہ آیات قیامت کے مختلف مناظر کے بیان پر مشتمل ہیں۔ جن میں زمین اور آسمان کی تباہی کا تذکرہ کیا گیا ہے ظاہر ہے اس وقت زمین پر حیات مکمل طور پر ختم ہو چکی ہوگی تاہم مقامِ تدبر یہ ہے کہ ساتویں آیت میں انسانی نفوس کے اجزاء کے باہم ملانے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور نفوس کے باہم ملاپ کے بعد یعنی انسانوں کو حیات دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے اور اس لڑکی سے جو بے گناہ ماری گئی پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے تحت ماری گئی با الفاظِ دیگر سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوگا۔ سوال جواب ظاہر ہے زندوں سے کیئے جاتے ہیں مُردوں سے نہیں۔ تاہم اصل نکتہ یہ ہے کہ قرآن پہلے نفوس کے اجزاء کو باہم ملانے کا تذکرہ کرتا ہے یعنی انسانوں کو حیات دینے کا پھر سوال جواب اور جواب دہی کے عمل کی بات کی جاتی ہے۔ اس سے سیدھا سا نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حیات اسی وقت جنم لیتی ہے جب انسانی شخصیت یہ دونوں اجزاء باہم ملتے ہیں موت سادہ

Marfat.com

طور پر ان کی علیحدگی کا نام ہے۔

اس دعویٰ کے حق میں مزید ثبوت سورۃ الزمر کی آیت ۴۲ سے ملتا ہے جہاں ارشاد ربانی ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ
تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ
الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۳۹/۴۲)

اللہ ہی موت کے وقت نفوس کو وفات دیتا ہے جن کی موت نہیں آئی (ان کے نفوس) نیند کے وقت روک لیتا ہے پھر جن کی موت کا حکم دیا ہو انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت کے لیئے چھوڑ دیتا ہے غور کرنے والوں کے لیئے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس آیت کریمہ کی رو سے انسانوں کی نیند کے وقت ان کے نفوس روک لیئے جاتے ہیں۔اس سے مراد انسانی شعور یا انسان کی شعوری کیفیت ہے۔ایسے لوگ جن کی موت کا مشیت ایزدی کے تحت فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے ان کے نفوس واپس نہیں کیئے جاتے اور ان کی طبعی موت (Physical Death) واقع ہو جاتی ہے۔بالفاظ دیگر انسانی شعور اور اللہ کے عطا کردہ نفس میں علیحدگی واقع ہو جاتی ہے۔یعنی انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء کے مابین تا قیامت علیحدگی ہو جاتی ہے۔تاہم ایسے انسان جن کی موت کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا ہوتا (ان کے نفوس) یعنی انسانی شعور ایک مقررہ وقت کے لیئے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔بالفاظِ دیگر دونوں حصوں کا پھر باہم ملاپ ہو جاتا ہے جس سے انسان وہ تمام افعال انجام دینے لگتا ہے جو زندگی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

موت کا اطلاق چونکہ نیند پر بھی ہوتا ہے لہٰذا اس حوالے سے یہ امر واقع ہے کہ نیند کے

Marfat.com

دوران اس آیت کریمہ کی رو سے نفس انسانی (انسانی شعور) اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور انسان موت سے ملتی جلتی کیفیت میں آجاتا ہے اور جب اذنِ خداوندی سے نفس واپس مل جاتا ہے تو حیات بھی واپس آجاتی ہے۔ اس مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی نشاندھی کی ہے کہ کس طرح انسانی حیات نفوس کے زوج سے جنم لیتی ہے اور علیحدگی سے موت واقع ہوجاتی ہے۔

اس کی سادہ سی مثال بیٹری کی مدد سے دی جاسکتی ہے جس طرح بیٹری مثبت اور منفی کرنٹ کی مدد سے ورکنگ میں آتی ہے جب تک یہ دونوں طرح کے کرنٹ موجود رہتے ہیں یا ان کی رسد بحال رہتی ہے بیٹری کام کرتی رہتی ہے تاہم اگر بیٹری سے اگر ایک مخصوص عرصے تک کام نہ لیا جانا مقصود ہو تو اس کے مثبت ٹرمینل سے تار علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں اس صورت میں بیٹری ختم نہیں ہوجاتی وہ بدستور زندہ ہوتی ہے لیکن ورکنگ میں نہیں ہوتی بعینہ یہی صورتِ حال انسان کی نیند کے وقت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ انسانی شخصیت کا زیادہ طاقتور حصہ انسانی شعور روک لیتا ہے اور بیٹری کی طرح انسان بھی مرنہیں جاتا وہ بھی زندہ ہوتا ہے لیکن بیٹری کی طرح ورکنگ میں نہیں ہوتا۔

۱۱۔ موت کے وقت فرشتہء اجل انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء پر قبضہ کرلیتا ہے

ازروئے قرآن موت کے وقت موت کا فرشتہ انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء (دونوں نفوس) کو قبضے میں لے لیتا ہے اس حقیقت کا اثبات سورۃ السجدہ کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ
اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۳۲/۱۱)

کہہ دیجئے کہ تم کو موت کا فرشتہ پورے کا پورا قبضہ میں لے گا جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

متذکرہ بالا آیت (۳۲/۱۱) میں لفظ 'یتوفکم' خصوصی تدبر کا محتاج ہے۔ اس کا مادہ وف ی ہے جس کے بنیادی معنی کسی چیز کے مکمل ہونے، پورے ہونے کے آتے ہیں۔ سورۃ آلِ عمران میں وفیت کا لفظ لا یظلمون کے مقابل آیا ہے (۳/۲۴) یعنی کم نہ ہونا، پورا پورا مل جانا۔ سورۃ ھود میں بھی اسے انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جہاں اسے بلا کسی قسم کی کمی کیئے ہوئے پورا دے دینے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے (۱۱/۱۰۶)۔ سورۃ نحل میں اسے تکمیل تک پہنچانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ جہاں کہا گیا کہ ''اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے پھر تمہاری جسمانی ساخت کو تکمیل تک پہنچا دیتا ہے'' (۱۶/۷۰)۔ اسے موت کے معنی میں سورۃ الانعام میں استعمال کیا گیا ہے جہاں کہا گیا کہ ''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اسے موت دیتے ہیں'' (۶/۶۱)۔ یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں۔ اس بنیاد پر متذکرہ بالا آیت (۳۲/۱۱) کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''کہہ دیجئے کہ تم کو موت کا فرشتہ موت دے گا جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔ تاہم متذکرہ بالا ترجمہ اس لیئے زیادہ قرین قیاس ہے کہ انسانی موت کے وقت اس کی شخصیت کے دونوں اجزاء کی موت واقع ہوتی ہے لہذا موت کا فرشتہ اس کے دونوں اجزاء کو اپنے قبضے میں لیتا ہے۔ باالفاظِ دیگر پورے کا پورا قبضے میں لیتا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ روزِ قیامت

Marfat.com

انہی دونوں اجزاء کے دوبارہ ملاپ سے پھر حیات دوبارہ جنم لے گی۔ لہٰذا موت کا فرشتہ دونوں اجزاء کو یا پوری کی پوری انسانی شخصیت (دونوں نفوس) کو اپنے قبضے میں لیتا ہے جنہیں روزِ قیامت دوبارہ باہم ملا دیا جائے گا۔

اس امر کی تصدیق سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۹ سے بھی ہوتی ہے جہاں موت کے لیئے یغشیٰ علیہ من الموت (۱۹/ ۳۳) کے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔ ان الفاظ میں لفظ یغشیٰ خصوصی تدبر کا محتاج ہے۔ اس کا مادہ غ ش ی ہے جس کی معنی ہیں کسی شے کو پوری طرح ڈھانپ لینا یا اس پر بالکلیۃً چھا جانا۔ سورۃ الاعراف میں اسے ڈھانپ لینے (تغشھا) (۱۸۹/ ۷) اور سورۃ النوح میں دلوں کو ڈھانپ لینے یا غلافوں میں بند کر لینے (واستغشو) (۷/ ۷۱) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح غشاوۃ بمعنی پردہ (۷/ ۳) ڈھانپ لینے (غشی) (۲۰/ ۷۸)، ہر طرف سے چھا جانے والی مصیبت (الغاشیہ) (۸۸/۱)، ہمہ اطراف سے محیط المحیطۃ (۹/ ۴۹) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اس پس منظر میں (۱۹/ ۳۳) میں یغشیٰ علیہ من الموت سے مراد "موت کی وجہ سے اس پر چھا جانے والا پردہ" ہوگا جس میں پورا نفسِ انسانی ڈھانپ لیا گیا ہو یا کسی غلاف میں بند کر لیا گیا ہو اس طرح موت پورے نفسِ انسانی پر محیط ہوتی ہے اور ملک الموت نفسِ انسانی کے دونوں اجزاء کو اپنے مکمل قبضے میں لے لیتا ہے۔

۱۲۔ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

Marfat.com

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ (۳/۱۸۵)

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

اس حقیقت کا اعادہ (۲۱/۳۵) اور (۲۹/۵۷) میں انہی الفاظ میں کیا گیا ہے۔ موت کیا ہے؟ اس کا جواب از روئے قرآن تو یہی ہے۔ انسانی شخصیت کے دونوں اجزاء کی علیحدگی۔ اس کا اختیار ظاہر ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے پاس ہرگز نہیں۔

موت وحیات دو باہم متضاد چیزیں ہیں

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۲/۲۸)

تم اللہ سے کیسے منکر ہو سکتے ہو اس نے تمہیں موت سے حیات بخشی وہی تم کو موت دیتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

حیات زندگی کا دوسرا نام ہے۔ زندگی اپنی مختلف علامات سے پہچانی جاتی ہے اس کی پہلی علامت قوت نامیہ ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۵۷/۱۷)

اور جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے ہم نے اپنی نشانیاں تم سے کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔

Marfat.com

زندگی کی علامات میں سے دیگر علامت سکڑنا ہے جو در حقیقت حیات کے جذبہء تحفظ خویش(Preservation of Self) کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قوت حاسہ(Faculty of Sensation) اور قوت فکر و عمل (سوچنے سمجھنے کی صلاحیت) سے بھی حیات کا اظہار ہوتا ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۶/۱۲۲)

بھلا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیئے روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص ایسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہو اور اس سے نکل ہی نہ سکے اس طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ انہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

اس طرح حیات سے مراد عقل سلیم بھی ہے۔ با الفاظ دیگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بھی حیات ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ (۸/۲۴)

اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو وہ تم کو حیات بخش امور کی طرف بلاتے ہیں۔

حیات کی ایک قسم وہ ہے جو صرف اللہ کی ذات کے لیئے مختص ہے یعنی حیاتِ جاودانی۔ موت در حقیقت حیات کی انہی صفات سے محرومی کا نام ہے۔ موت کا لفظ سکون اور جمود کے لیئے

Marfat.com

استعمال کیا جاتا ہے۔ نیند پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں موت کا لفظ صرف حیات کی خصوصیات سے محرومی (عام انسانوں کی طبعی موت) کے لئے ہی استعمال نہیں کیا گیا بلکہ عقل و شعور سے محرومی اور اقوام کی اجتماعی موت اور دیگر حوالوں سے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم موضوع زیر بحث کے حوالے سے موت کے صرف اس پہلو کو زیر بحث لایا گیا ہے جسے نفوس کی طبعی موت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید فرقان حمید یہ کہتا ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے تو اس سے مراد ہر انسان کی طبعی موت ہے جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔

۱۳۔ کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر مر نہیں سکتا

جہاں ایک طرف انسانی موت ایک نا قابل تردید حقیقت ہے تو دوسری طرف یہ حقیقت بھی ذھن میں رکھنا ضروری ہے کہ کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا۔ باالفاظِ دیگر انسانی شخصیت کے ان دونوں اجزاء کی علیحدگی کا حکم صرف اور صرف اللہ کی جانب سے آ سکتا ہے جب اللہ یہ حکم دیتا ہے تو یہ علیحدگی ہو جاتی ہے اگر اس کا اذن نہ ہو تو یہ امر کسی صورت ممکن نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ (۳/۱۴۵)

اور کسی نفس میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (یہ صرف اس کے طبعی) قانون کے مطابق آتی ہے۔

اللہ اور نفس انسانی کا باہمی تعلق

جہاں تک اللہ تعالیٰ اور نفسِ انسانی کا باہمی تعلق ہے اللہ تعالیٰ چونکہ خالقِ کائنات ہے لہٰذا

۱۔ وہی ہر نفس پر نگراں بھی ہے

Marfat.com

۲۔ اس نے نفسِ انسانی میں اپنی آیات/نشانیاں رکھی ہیں اور

۳۔ انسانی نفس کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

ان نکات کی انفرادی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ اللہ ہر نفس پر نگراں ہے

قطع نظر اس کے کہ کون اللہ کی حقانیت کا اعتراف کرتا ہے اور کون انکار اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور تمام مخلوقات کے خالق کی حیثیت سے ہر نفس کے کسب کا نگراں ہے۔

أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (۱۳/۳۳)

تو کیا جو (اللہ) ہر نفس کے اعمال کا نگراں ہے وہ بتوں کی طرح بے علم (و بے خبر) ہوسکتا ہے۔

اسی سورۃ میں آگے چل کر خدائے علیم و حکیم کا ارشاد پاک ہے

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ (۱۳/۴۲)

وہ ہر نفس کے کسب کا مکمل علم رکھتا ہے۔

ظاہر ہے یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں اللہ جو تمام جہانوں کا خالق ہے ظاہر ہے صرف وہی ہر نفس کے کسب/اعمال کا نگراں ہوسکتا ہے اور ان کا مکمل علم رکھ سکتا ہے یہ کسی اور کے بس کی بات ہی نہیں۔

۲۔ نفس انسانی میں اللہ کی آیات

- وہی ذات بابرکات جو نفس انسانی کا خالق اور نگراں ہے اس نے جہاں اس پوری کائنات کو اپنی

لاتعداد نشانیوں سے مزین کیا ہے۔ اسی نے انسانی نفس میں بھی اپنی نشانیاں عطا کی ہیں۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى
يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (۴۱/۵۳)

ہم عنقریب ان کو آفاق میں اور خود ان کے اپنے نفوس میں اپنی نشانیاں
دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے کیا
تمہارے لیئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر شے پر نگراں ہے

وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اور انفس و آفاق پر تدبر کرتے ہیں ان کے لیئے زمین اور خود ان کے نفوس میں اللہ کی آیات بکھری ہوئی ہیں صرف دیکھنے والی نظر چاہیئے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝
وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۱/۲۰-۲۱)

اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود
تمہارے نفوس میں (بھی) تو تم تدبر و تفکر کیوں نہیں کرتے؟

جہاں تک انسانی نفس سے متعلق علم یعنی علم النفسیات کا تعلق ہے اس نے بیسویں صدی میں تو آنکھ کھولی ہے جوں جوں اس حوالے سے تحقیقات آگے بڑھیں گی انسانی نفس میں اللہ کی آیات سامنے آتی چلی جائیں گی۔

۳۔ اللہ انسانی نفس کو بخوبی جانتا ہے

اللہ جس نے یہ تمام کائنات اور تمام مخلوقات کو خلق کیا ہے ظاہر ہے اس سے بہتر انسانی نفس کو کون جان سکتا ہے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

(۲/۲۳۵)

جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے نفوس میں ہے وہ اس کا علم رکھتا ہے

اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں ارشادِ ربانی ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ

(۱۷/۲۵)

جو کچھ تمہارے نفوس میں ہے تمہارا رب اس کا علم رکھتا ہے۔

نفس کی اصطلاح اللہ کی ذات کے حوالے سے

قرآن مجید میں نفس کی اصطلاح اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بھی استعمال کی گئی ہے لیکن ظاہر ہے جب نفس کی اصطلاح اللہ تعالیٰ کے حوالے سے استعمال کی جائے گی تو اس کے معنی انسانی نفس سے بالکل جداگانہ ہوں گے وہ مکمل، یگانہ اور کامل ترین ہستی ہے اس کے حوالے سے اس قسم کا کوئی تصور ممکن نہیں جو انسانوں کے حوالے سے ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید میں یہ اصطلاح اللہ تعالیٰ کے حوالے سے آئے گی تو اس سے مراد خود اللہ تعالیٰ کی اکمل ترین اور جامع الصفات ہستی ہوگی جو خود قائم بالذات ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس تناظر میں قرآن مجید کی ان آیات پر تدبر لازمی ہے جن میں اللہ کی ذات کے حوالے سے نفس کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً سورۃ ال عمران میں ارشاد ربانی ہے

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ

(۳/۲۸)

اللہ تمہیں اپنے آپ سے یا اپنی ذات سے ڈراتا ہے

بالفاظِ دیگر اللہ تمہیں قانون مکافاتِ عمل کی رو سے مرتب ہونے والے منفی نتائج سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ وہ سراپا رحمت ہے

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ (۶/۱۲)

اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

اس حقیقت کا اعادہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ (۶/۵۴)

اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

لہٰذا جب اللہ کی ذات کے غضب کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس سے مراد اللہ کی اپنی مشیت سے طے کردہ قوانین کی خلاف ورزی کے منفی نتائج ہیں۔ جن سے وہ انسانوں کو متنبہ کرتا ہے ورنہ وہ خود تو سراپا رحمت ہے اور خود اپنی مشیت سے اس نے اپنے اوپر رحمت کو فرض کرلیا ہے لہٰذا ہر لمحہ اس کی رحمت طلب کی جانی چاہیے اور قوانین خداوندی کی اطاعت کرتے رہنا چاہیے۔

باب ۳

انسانی افعال اور نفس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ از روئے قرآن انسان اپنے نفس پر قادر ہے اور وہ جو بھی افعال انجام دیتا ہے اس کا اثر براہ راست اس کے نفس پر پڑتا ہے۔ اس حوالے سے بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان کی تمام سعی وجدوجہد اس کے اپنے نفس کی خاطر ہوتی ہے۔

انسانی سعی کا محور اس کا اپنا نفس ہوتا ہے

از روئے قرآن جملہ انسانی افعال اور انسان کی ہر قسم کی جدوجہد، سعی وکاوش کا محور اس کا نفس ہوتا ہے۔ یہ اساسی کلیہ سورۃ العنکبوت میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۹/۶)

اور جو کوشش کرتا ہے تو وہ صرف اپنے نفس کے لئے کوشش کرتا ہے بے شک اللہ تمام عالمین سے بے نیاز ہے

تمام نوع انسانی کے لئے یہ کلیہ قرآن مجید کی اساسی تعلیمات میں سے ایک ہے۔ ہر انسان خواہ وہ کوئی ہو، کہیں رہتا ہو، وقت کے کس لمحے میں زندہ ہو ان تمام امور سے قطع نظر اس کی تمام سعی اور جدوجہد کا محور صرف اور صرف اس کا نفس ہوتا ہے۔ انسان جو بھی فعل انجام دیتا ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا اس کے اثرات اس کے نفس پر مرتب ہوتے ہیں۔ افعال تو درکنار اس کارگہہ حیات میں جو خیالات بھی انسانی دماغ میں آتے ہیں وہ بھی اپنے اثرات مرتب

کرتے ہیں۔

لے سانس بھی آہستہ کہ ہے نازک بہت کام
کارگہہ عالم کی اس شیشہ گری کا

یہ کارگہہ عمل انسانوں کے لیئے سجائی گئی ہے انسان خود ہی اپنے تمام افعال کا ذمے دار ہے اللہ احتیاج کے تصور سے ہی ماوراء ہے وہ اس تمام عالم سے بے نیاز ہے انسان اس کے محتاج ہیں وہ خود کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ قائم بالذات ہستی ہے جو اپنی ہستی، بقا اور استحکام کے لئے کسی خارجی سہارے کی محتاج نہیں ہے۔ ایک مکمل اور اکمل ترین ہستی۔ جس کی طرف انسان اپنی مشکلات، پریشانیوں اور مصائب میں رجوع کرتا ہے تاہم وہ خود بے نیاز ہے۔

اس بنیاد پر بنیادی اصول یہ ٹھہرا کہ تمام انسانی افعال بغیر کسی استثناء کے حتیٰ کہ اس کے دماغ میں آنے والے خیالات بھی اس کے نفس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسانی افعال بنیادی طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں اول اعمالِ صالح دوم اعمالِ بد۔ اعمال صالح سے انسانی نفس کی نشو ونما ہوتی ہے اور اس کا توازن مستحکم ہوتا ہے جبکہ اعمال بد سے یہ صورتِ حال الٹ جاتی ہے۔

اس باب میں ان آیاتِ قرآنی سے بحث کی جائے گی جن میں انسانی افعال کے نفس پر اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ اس حوالے سے سب سے بنیادی اصول یہ ہے کہ اعمال صالحہ کا فائدہ نفس کو ہوتا ہے اور برے اعمال کا عذاب بھی اسی کو بھگتنا ہوگا۔

Marfat.com

اعمال صالحہ نفس کیلئے منفعت بخش اور اعمال بد نفس کیلئے ضرر رساں ہوتے ہیں

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ
وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ (۴۱/۴۶)

جو عمل صالح کرے گا تو اپنے نفس کے لیئے اور جو بدی کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور تیرا رب اپنے بندوں کے لیئے مطلق ظالم نہیں ہے۔

سورۃ الجاثیہ میں ارشادِ ربانی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ
ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○ (۴۵/۱۵)

جو اعمال صالح کرے گا تو اپنے نفس کے لیئے اور جو بُرے کام کرے گا اس کا ضرر اسی کو ہوگا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اسی اصول کو سورۃ الروم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ
يَمْهَدُوْنَ ○ (۳۰/۴۴)

جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جس نے عملِ صالح کیا تو ایسے لوگ اپنے نفوس کے لئے ہی نفع کا سامان کر رہے ہیں۔

یہ ایک عمومی اصول ہے جس سے استثنیٰ کسی کو بھی حاصل نہیں ہے تاہم متذکرہ بالا آیت

Marfat.com

(۳۰/۴۴) سے متصل اگلی آیت میں صریحاً واضح کر دیا گیا کہ جزا ان لوگوں کو ملے گی جو ایمان کیساتھ اعمالِ صالح کرتے ہیں اور اللہ کفار کو پسند نہیں کرتا۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن فَضْلِهِ ۚ
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ○ (۳۰/۴۵)

تا کہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں اعمالِ صالح کئے اور اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اس حوالے سے کلیئے کی شکل میں یہ اصول سورۃ الانعام کی مندرجہ ذیل آیت میں بین انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ
وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ○ (۶/۱۰۴)

تمہارے رب کی طرف سے دلائل آچکے ہیں پس جس نے انہیں جان لیا اس کا یہ فعل اس کے اپنے نفس کے لئے ہوگا اور جس نے گمراہی اختیار کی اس کا وبال اسی پر ہوگا اور میں تمہارا محافظ نہیں ہوں۔

اس آیت میں واضح اور بین انداز میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ خالقِ دو جہاں کی طرف سے ہدایت قرآن مجید فرقان حمید کی شکل میں آچکی ہے جو منبع رشد و ھدایت اور مجموعہ دلائل ہے جو انسان چاہے اس منبع فیض سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کے نفس کو ہوگا اور جو ایسا نہ کرنا چاہے اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اب یہ انسان کا اپنا اختیار و ارادہ ہے کہ وہ کونسی راہ اختیار کرنا چاہتا

ہے۔اللہ تعالیٰ نے دونوں راہیں اس پر کھول کر بیان کر دی ہیں انسان جو راہ اختیار کرے گا ویسی ہی تقدیر اس پر منطبق ہو جائے گی۔انسان راہ کے انتخاب میں تو آزاد ہے۔ایک خاص راہ پر ایک مخصوص حد تک چلنے کے بعد واپسی کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں لیکن جب اس راہ کے مکافات عمل کا عمل شروع ہو جائے تو پھر رجوع کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے پھر صرف نتائج کا سامنا کرنا رہ جاتا ہے۔

اس حوالے سے یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس حوالے سے بیشتر آیات میں خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے کیونکہ نفس کی دولت ہر انسان کو بغیر کسی استثناء کے عطا ہوتی ہے۔اسی وجہ سے اس حوالے سے بیشتر آیات میں انسانی افعال کے نتائج اس کے نفس پر بیان کرتے وقت خطاب بنی نوع انسانی ہے کسی خاص فرد یا گروہِ انسانی سے نہیں مثلاً:

تمہیں جو بھی تکلیف آتی ہے وہ نفس کی بدی کی وجہ سے ہے۔(۳/۱۶۵)

تم نے اپنے نفوس کو خود عذاب میں ڈالا۔(۵۷/۱۴)

نفس پر جو بھی مصیبت آتی ہے طے شدہ قانون کے مطابق آتی ہے(۵۷/۲۲)

جو بھلائی اپنے نفس کے لئے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پالو گے۔(۷۳/۲۰)

نافرمانی کا نتیجہ اپنے نفس پر ظلم ہے۔(۲/۵۷)

لوگ خود اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔(۱۰/۴۴)

اللہ کی حدود توڑنا نفس پر ظلم ہے۔(۶۵/۱)

جو پاک ہوتا ہے وہ اپنے نفس کے لئے ہوتا ہے۔(۳۵/۱۸)

جو خدا کے لئے جدوجہد کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہے۔(۲۹/۶)

شکر کا نتیجہ نفس کی بہتری ہے ناشکری کی صورت میں اللہ بے نیاز ہے۔

(۳۱/۱۲)(۲۷/۴۰)

Marfat.com

ہر نفس دیکھ لے کہ اس نے آگے کے لئے کیا بھیجا ہے۔(۵/۸۰)

ہدایت سے نفس کو فائدہ ہوتا ہے۔(۳۹/۴۱)،(۲۷/۹۲)،(۱۷/۱۵)،(۱۰/۱۰۸)

بدی نفس پر ظلم ہے۔(۱۱۱-۱۱۰/۴)

نہ صرف مندرجہ بالا آیات بلکہ اس حوالے سے قرآن مجید کی دیگر متعدد آیات بھی پیش کی جاسکتی ہیں جو صریحاً اور دوٹوک انداز میں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ انسان جو افعال انجام دیتا ہے اس کا نتیجہ اس کے نفس پر مرتب ہوتا ہے۔ اچھے افعال / اعمال صالحہ سے نفس کا توازن مستحکم ہوتا ہے اور برے افعال سے اس کا توازن برباد ہو جاتا ہے اور وہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ یہاں تک ممکن ہے کہ وہ مکمل طور پر ہلاک ہو جائے۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں متعدد افعال کا تذکرہ کیا گیا ہے جو نفس کی ہلاکت پر منتج ہوتے ہیں۔ ان افعال پر اسی باب میں آگے "نفس کی ہلاکت" کے عنوان کے تحت بحث کی گئی ہے۔

علتِ تخلیق ارض وسما

قرآن مجید کے رو سے ارض وسماوات کی تخلیق ہی اس لئے کی گئی ہے کہ ہر نفس اپنے کسب کا بدلہ پائے۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (۴۵/۲۲)

اللہ نے ارض وسماوات کو بالحق پیدا کیا ہے تا کہ ہر نفس اپنے کسب کا بدلہ پائے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن وانس کی تخلیق کا مقصد ہی قوانین خداوندی کی اطاعت بتایا ہے۔

Marfat.com

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (۵۱/۵۶)

ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

با الفاظِ دیگر جن وانس کی تخلیق کا مقصد ان احکام الٰہی کی اطاعت ہے جو قرآن مجید فرقان حمید میں دیئے گئے ہیں۔ یہ کائنات خالق کائنات نے اس طرح تخلیق کی ہے کہ جو بھی جیسا بھی فعل کرے گا اسے اس کا ویسا ہی نتیجہ مل جائے گا۔ اچھے اعمال / اعمال صالح کے اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں اور برے اعمال کے بُرے نتائج خود بخود سامنے آنے لگتے ہیں۔ یہ ایک ایسی روزمرہ کی حقیقت ہے جو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ بے شمار واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں جہاں قطعی واضح طور پر افعال کے نتائج خود پکار پکار کر اپنے کرنے والے اور صاحبِ بصیرت لوگوں کے لئے عبرت کا سامان پیدا کرتے ہیں لیکن انسان کی بہ حیثیتِ نوع غالباً سب سے بڑی بدنصیبی / کج روی یا بے بصیرتی یہی ہے کہ اس سب سے بنیادی حقیقت کی طرف وہ توجہ نہیں دیتا۔ غالباً اس حوالے سے آج تک سائنسی بنیادوں پر کوئی تحقیق نہیں کی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نتائج ہمیشہ پیچ در پیچ کئی پیچیدہ، گنجلک اور تہہ در تہہ عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن جب انسان دیگر پیچیدہ مسائل حل کر سکتا ہے تو اس بین حقیقت کا حل کرنا بھی ناممکن نہیں بالخصوص ایک ایسی صورتِ حال میں جبکہ یہ ہماری روز مرہ زندگی کی سب سے بڑی اور بنیادی حقیقت ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حوالے سے ایک سائنسی انداز میں تحقیق کی جائے۔ اس حوالے سے یقیناً کئی سماجی عوامل ایک دوسرے کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ گہرا تعلق رکھتے ہیں ان کے درمیان تعلق معلوم کر کے اس حوالے کئی حقائق سامنے لائے جا سکتے ہیں۔"

Marfat.com

اعمال صالحہ اور اعمال بد

چونکہ اس ساری بحث کا محور بنیادی طور پر اعمالِ صالحہ اور اعمال بد کے نفس پر اثرات ہیں لہٰذا آگے بڑھنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ان کی بالخصوص اعمال صالحہ کی کوئی واضح تعریف متعین کی جائے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ از روئے قرآن کون کون سے افعال اعمال صالحہ میں اور کون سے افعال اعمال بد میں شمار کئے جاتے ہیں۔

اعمالِ صالح

ایمان کیساتھ ساتھ جس شرط کا پورے قرآن مجید میں مسلسل اعادہ کیا گیا ہے وہ اعمالِ صالح ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲/۸۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح کیئے

صالح کا مادہ ص ل ح ہے اس کے معنی ایسے کام کے ہیں جس سے کسی دوسرے کی خرابی، نقص یا کمی دور ہوجائے۔ ایسے کام جن سے توازن پیدا ہو اعمال صالح کہلاتے ہیں۔ سورۃ اعراف میں جسمانی لحاظ سے صحیح اور تندرست بچے کے لیئے صالحا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (۷/۱۶۰)۔ قرآن کریم میں حسنات کے مقابلے میں سیئات کا لفظ اکثر آیا ہے اور (۲/۸۱-۸۲) میں سیئۃ کے مقابل میں عملوا الصالحت آیا ہے لہذا اعمال صالحہ اور حسنات ہم معنی ہیں۔ اس لئے دوسرے مقام پر من عمل صالحا کے مقابل میں من اساء آیا ہے (۴۱/۴۶)۔ لہٰذا اعمال صالحہ کے معنی ہیں ایسے کام جن سے انسان کی مضمر صلاحیتیں

بیدار ہو جائیں اور اس طرح اس میں زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے نیز جن سے معاشرہ کا حسن وتوازن قائم رہے اور ناہمواریاں دور ہو جائیں یہ فساد کی ضد ہے۔ قرآن مجید میں فساد اور صلاح کو ایک دوسرے کے مقابل استعمال کیا ہے (۲/۱۱)۔ اس کے علاوہ اسے لوگوں سے اچھے معاملات کرنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ (۲۸/۲۷)۔

ایمان اور اعمال صالح لازم وملزوم ہیں۔ ایسے افعال ہی جو اللہ پر پختہ یقین کیساتھ انجام دیئے جائیں صرف وہی اعمال حتمی مثبت نتائج پیدا کر سکتے ہیں اگر دل سے اللہ پر یقین نہیں ہے تو اس طرح کے اعمال قطعی بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں۔ سورۃ الروم میں قرآن کریم نے من عمل صالحا کے مقابلے میں من کفر لا کر (۳۰/۴۴) اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اگر اعمال صالحہ ساتھ نہ ہوں تو ایمان، ایمان نہیں رہتا۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ صرف وہی اعمال، اعمال صالحہ متصور ہونگے جنہیں قرآن نے صالح قرار دیا ہے اس حوالے سے کوئی دیگر معیار قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے اگرچہ ان افعال کی کوئی فہرست نہیں دی لیکن قرآن مجید کے مطالعہ سے ان تمام افعال کو اس ضمن میں اعمال صالحہ شمار کیا جائے گا جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یا جن افعال پر اظہار پسندیدگی کیا گیا ہے۔ مثلاً:-

ا۔ انفاق:

انفاق سے مراد زائد از ضرورت تمام مال و دولت کو اللہ کی راہ میں کھلا رکھنا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ (۲/۲۱۹)

یہ آپ سے پوچھتے ہیں اللہ کی راہ میں کیا دیں کہہ دیجئے جو ضرورت سے زائد ہو۔

یہ فعل بارگاہِ رب العزت میں اتنا پسندیدہ ہے کہ اسے خود اللہ تعالیٰ نے خود کو قرض دینے کے مترادف قرار دیا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ (۲/۲۴۵)

کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔

صرف اس آیت سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس فعل کی کتنی اہمیت ہے لہٰذا اعمالِ صالح میں اسے نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ:

زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ایک ایسا فعل ہے جس کی قرآن مجید میں نمایاں تاکید کی گئی ہے اسی وجہ سے جہاں جہاں ادائیگی صلوٰۃ کا حکم آیا ہے اسی کیساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ (۲/۱۱۰)

صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

زکوٰۃ سے مراد چونکہ وہ منجملہ محاصل ہیں جو ایک اسلامی حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کیلئے مسلمانوں پر عائد کرتی ہے اور ان کی عدم ادائیگی سے اسلامی حکومت بحران کا شکار ہو سکتی ہے لہٰذا متعدد مقامات پر اس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیئے دیکھیئے

Marfat.com

میری کتاب "مروجہ اسلامی معاشی تصورات قرآنی تناظر میں"۔

۳۔ اقامتِ صلوٰۃ

قرآن مجید میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم متعدد مقامات پر دیا گیا ہے۔ الصلوٰۃ سے مراد جہاں ایک طرف نماز کی ادائیگی ہے تو دوسری طرف اس کے معنی قوانین خداوندی کے اتباع کے بھی ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی کسی کے پیچھے متواتر اور مسلسل چلنے کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اتباع قوانین خداوندی کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان فرائض وذمے داریوں کی کما حقہ ادائیگی جو ازروئے قرآن مسلمانوں یا اہل ایمان پر عائد ہوتی ہیں۔

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کے مختلف احکامات جو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کئے گئے ہیں ان کی مکمل اطاعت بھی اعمال صالحہ میں شامل ہے۔ اللہ کی اطاعت اور مکمل تابعداری کا حکم واتقوا اللہ (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو) قرآن مجید میں کئی مقامات پر دیا گیا ہے مثلاً:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳/۱۰۲)

اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔

سیدھے سادے لفظوں میں اللہ کے احکامات کی کامل پاسداری تقویٰ ہے اور یہی اللہ کے نزدیک عزت کا معیار ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۴۹/۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔

Marfat.com

۵۔ جہاد:

جہاد چونکہ اہلِ ایمان پر فرض ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو جہاد کیلئے حکم دیا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲/۲۱۶)

(مسلمانوں) تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیئے مضر ہو اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

لہٰذا اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاد کا شمار بھی اعمالِ صالحہ میں ہے۔

۶۔ احسان:

احسان سے مراد ہوتی ہے کسی کے بگڑے ہوئے توازن کو درست کر دینا یا کسی کی کمی کو دور کر دینا۔ قرآن مجید نے اس اصطلاح کو صفات عالیہ میں شمار کیا ہے۔

۷۔ شکر:

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اعلیٰ صفات میں شامل ہے اور اہلِ ایمان کی خصوصیات میں شامل ہے

Marfat.com

۸۔ ماپ تول:

قرآن مجید میں ماپ تول کو صحیح رکھنے کی بہت تاکید کی ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (۶/۱۵۲)

اور ماپ تول انصاف کیساتھ پورا کرو۔

اس کے علاوہ دیگر متعدد مقامات پر بھی اس بابت حکم دیا گیا ہے۔

۹۔ صبر:

صبر کے بنیادی معنی استقامت، ثابت قدمی، استقلال اور جہدِ مسلسل کے ہیں۔ بالفاظِ دیگر صابر سے مراد وہ اصحاب ہوں گے جو ہمت، استقلال، ثابت قدمی اور حوصلے سے مخالفت کا سامنا کریں، مایوس نہ ہوں، جی نہ ہاریں اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور عورتوں کی ایک خصوصیت صابر ہونا بتائی ہے (۳۳/۳۵)۔

۱۰۔ رزقِ حلال کا حصول:

قرآن مجید میں رزقِ حلال کے حصول پر بہت زور دیا گیا ہے۔ رزق حلال کا حصول بھی اعمالِ صالحہ میں شامل ہے۔ یہاں رزقِ حلال سے مراد صرف اور صرف محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی ہے قرآن کسی غیر مکتسب آمدنی کے تصور کو قبول نہیں کرتا جسمیں کرایہ، مضاربہ اور مضارعت وغیرہ سے حاصل شدہ آمدنی شامل ہے۔ یہ سب باطل ذرائع آمدنی ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''مروجہ اسلامی معاشی تصورات قرآنی تناظر

میں")۔

۱۱۔ دیانت:

قرآن مجید میں امانت میں خیانت نہ کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ
تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (۸/۲۷)

اے اہل ایمان! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔

متذکرہ بالا افعال کے علاوہ جن افعال کو اعمال صالح میں شمار کیا جا سکتا ہے ان میں عدل صلۂ رحمی، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، وعدہ کا پورا کرنا، ادب، شفقت، اللہ کو کثرت سے یاد کرنا، آیات اللہ پر تدبر کرنا، سچی گواہی دینا، بیہودہ افعال سے احتراز، کافروں کو دوست بنانے سے مجتنب رہنا، حق کی راہ میں جدوجہد کرنا، اللہ کی متعین کردہ حدود کو توڑنا، نماز میں عجز سے کام لینا، شرک اس کی شکل خواہ کچھ ہو اس سے بچنا، ناحق قتل نہ کرنا، بدکاری نہ کرنا، جاہلین سے کنارہ کشی کرنا، انصاف پر قائم رہنا، رفتار و گفتار میں میانہ روی اخراجات میں اعتدال برتنا، حرص نفس سے محفوظ رہنا وغیرہ شامل ہیں۔

اعمال بد

جہاں تک برے افعال یا اعمال بد کا تعلق ہے وہ تمام افعال یا اعمال جو اعمال صالحہ کی ضد ہوں اس میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ایسے افعال کے لئے قرآن مجید ظلم کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

Marfat.com

جہاں تک ظلم کا تعلق ہے اس کی جامع ترین تعریف خود قرآن مجید نے یہ کہہ کر دی ہے کہ "اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ظالم ہیں۔"

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۲/۲۲۹)

جولوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

جہاں تک اللہ کی حدود کا تعلق ہے اس سے مراد وہ احکامات وقوانین ہیں جو اللہ نے اپنی مشیت سے طے کر دیئے ہیں اور ان کی بابت انسانوں کو قرآن مجید فرقان حمید کے ذریعے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ایسے تمام افعال جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی میں شمار ہوں وہ ظلم کے زمرے میں آتے ہیں۔

ظالم کا لفظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے اور بالعموم قانون شکنی، حدود فراموشی، دوسروں کے اموال میں ناجائز تصرف، زیادتی، واجبات کی عدم ادائیگی اور اسی نوع کے دیگر منفی افعال کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ منجملہ تمام افعال ایسے ہیں جو نفسِ انسانی پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اس طرح ان افعال کے ذریعے ظالم خود اپنے نفس کے خسران کا سبب بنتا ہے۔

ظلم کے بنیادی معنی ہی دوسرے کی ملکیت میں بے جا تصرف کرنا، حد سے تجاوز کرنا، نقص اور کمی کرنے کے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی شے کو ایسی جگہ پر رکھنا جہاں اسے نہیں ہونا چاہیئے، چاہے یہ بگاڑ بلحاظ وقت ہو یا بلحاظ جگہ یہ بھی ظلم ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معنی تاریکی کے بھی آتے ہیں یا روشنی کا معدوم ہو جانا یعنی ایسی جگہ کا روشن نہ ہونا جسے روشن ہونا چاہیئے تھا۔ اسی حوالے سے نور کے مقابل ظلمت کا لفظ قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے (۲/۱۷)۔

Marfat.com

سورۃ انبیاء میں ظلمات کا لفظ مصائب و مشکلات کے معنوں میں آیا ہے (۲۱/۸۷)۔

وہ افعال جنہیں قرآن مجید میں ظلم قرار دیا گیا ہے ان میں سے چند اہم افعال مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھانا (۴/۱۰) ۲، وحی کو اختراع کہنا (۷/۳۷) (۴/۲۵)، ۳) دوسروں کا مال باطل طریقوں سے کھانا (۴/۳۰)، ۴) غریبوں کا استحصال (۳۸/۲۴)، ۵) اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تحریف (۲/۵۹)، (۷/۱۶۲)، دنیاوی زندگی کو منتہا و مقصود جان لینا (۳/۱۱۶)، تن آسانی / آسائشات کی ہوس (۱۱/۱۱۶)، وحی کی مخالفت (۷/۳۷)، (۷/۱۰۳)، (۱۷/۱۰)، (۴۷/۱۷)، (۳/۲۱)، ۹) غیر اللہ کی محکومیت اختیار کرنا (۳۷/۲۲-۲۳)، ۱۰) اپنی بات اللہ سے منسوب کرنا (۷/۳۷)، (۶/۹۴) (۶/۲۱)، (۳/۹۳)، ۱۱) شرک سب سے بڑا ظلم ہے (۳۱/۱۳)، ۱۲) تکذیبِ احکام خداوندی (۶/۱۵۸)، (۳۹/۳۲)، ۱۳) اللہ سے حاصل ہونے والا علم چھپانا (۲/۱۴۰) ۱۴) اختلافات پیدا کرنا (۴۳/۶۵)، ۱۵) اللہ کی حدود سے تجاوز کرنا (۲/۲۲۹)، ۱۶) قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار (۲/۲۵۴)، ۱۷) منافقت (۲۴/۴۹-۵۰)، ۱۸) احکام الٰہی کا استہزاء (۶/۶۸)، ۱۹) جرم سے زیادہ سزا دینا (۶/۱۶۱)، ۲۰) دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اسمیں کجی تلاش کرنا (۱۱/۱۸-۱۹)، ۲۱) کسی مربی سے خیانت (۱۲/۲۳)، ۲۲) جھوٹی شہادت دینا (۵/۱۰۷)، ۲۳) شیطان کے پھیلائے ہوئے جال میں آجانا (۲۳/۔۔۔) وغیرہ کو قرآن مجید میں ظلم قرار دیا گیا ہے۔ تاہم یہ بہرحال حتمی فہرست نہیں ہے قرآن پر تدبر سے مزید ایسے کئی افعال سامنے آسکتے ہیں جنہیں قرآن نے ظلم قرار دیا ہے۔

Marfat.com

اللہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا

یہاں یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھی جانی لازمی ہے کہ اللہ کبھی، کسی بھی صورت میں انسانوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اس حوالے سے متعدد آیاتِ قرآنی کے حوالے دیئے جاسکتے ہیں جہاں قرآن مجید میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اللہ کی یہ سنت بیان کی گئی ہے کہ وہ کبھی بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ (۴۰/۳۱)

اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا

اللہ تو ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ (۴/۴۰)

بے شک اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ (۳/۱۰۷)، (۳/۱۸۲)، (۸/۵۱)، (۲۲/۱۰)، (۴۱/۴۶)، (۵۰/۲۹)، (۴۳/۷۶)، (۱۰/۴۴)، (۱۸/۴۹) کے علاوہ دیگر متعدد آیات میں اس امر کا واشگاف اعلان موجود ہے کہ اللہ کسی پر، کبھی بھی، کسی بھی صورت میں، کسی بھی حوالے سے ظلم نہیں کرتا۔ یہ اس کی شان سے ماوراء ہے۔ اس کے برعکس یہ خود انسان ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور خود اس ظلم کی وجہ سے تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اس حقیقت کا بیان بھی قرآن میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ انسان خود پر (اپنے نفس) ظلم کرتا ہے۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۹/۷۰)

کیا ان کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور ابراھیم کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے ان کے پاس رسول نشانیاں لیکر آئے اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اس بات کو ایک کلیئے کی شکل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۱۰/۴۴)

بے شک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔

ان آیات کے علاوہ (۱۶/۳۳)، (۲۹/۴۰)، (۳۰/۹)، (۲/۵۷)، (۷/۱۶۰)، (۱۶/۱۱۸) وغیرہ میں بھی اس حقیقت کا بین اظہار کیا گیا ہے کہ انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ انسان اپنے نفس پر ظلم کیوں کرتا ہے اس پر تفصیلی بحث چوتھے باب میں کی گئی ہے۔

اعمال کے نتائج مستقبل میں مرتب ہوتے ہیں

ازروئے قرآن انسانی اعمال کے نتائج مستقبل میں مرتب ہوتے ہیں یہ اللہ کی اپنی مشیت سے متعین کردہ ایک خاص تقدیر ہے جس کے تحت انسانی افعال کے نتائج مستقبل میں

بتدریج سامنے آنا شروع ہوتے ہیں اب یہ افعال کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے کہ ان کے نتائج کتنی دیر میں مرتب ہوتے ہیں بعض اوقات یہ نتائج فی الفور، بعض اوقات مستقبل قریب اور بسا اوقات مستقبل بعید میں اپنے نتائج مرتب کرتے ہیں۔ اس حوالے سے نیک اور بد اعمال میں کوئی امتیاز نہیں برتا گیا دونوں کے حوالے سے اصول ایک ہی ہے جہاں نیک اعمال کے لیئے کہا گیا ہے کہ:

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (۲/۱۱۰)

جو بھلائی اپنے لئے آگے بھیج رکھو گے اس کو اللہ کے پاس پالو گے بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

وہیں اعمال بد کے لیئے بھی یہی صورتِ حال ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ (۵/۸۰)

تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ (بہت) برا ہے اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

اس لیئے اہل ایمان کو بالخصوص ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس امر کو جانچتے رہیں کہ انہوں نے آگے کے لیئے کیا بھیجا ہے؟

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا
قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵۹/۱۸)

اے اہل ایمان اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر نفس کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لیئے
کیا بھیجا ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

روزِ قیامت ہر نفس کو پورا پورا بدلہ ملے گا

تمام انسانی افعال کا مکمل اور جامع بدلہ روزِ قیامت ہر نفس کو مل جائے گا۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا اعادہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۳/۲۵)

تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے (یعنی) اس روز جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں (اس دن) ہر نفس اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ
وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا
بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (۳/۳۰)

جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اور ان کی برائی کو بھی تو آرزو

Marfat.com

کرے گا کہ اے کاش اس میں اور اس برائی میں دور کی مسافت ہو جاتی اور اللہ تم کو اپنے (غضب سے) ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

اسی سورۃ میں آگے چل کر اس حقیقت کا اعادہ کیا گیا ہے۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (۳/۱۶۱)

پھر ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

یہ ایک ایسی بنیادی حقیقت ہے جسکا اعادہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے مثلاً: (۲/ ۲۸۱)، (۱۰/ ۳۰)، (۱۴/ ۵۱)، (۲۰/ ۱۵)، (۲۱/ ۴۷) (۳۶/ ۵۴)، (۳۹/۷۰)، (۴۰/۱۷)، (۸۱/۱۴)، (۸۲/۵)، (۸۲/۱۹)، (۸۹/۲۷) وغیرہ۔

Marfat.com

باب ۴

نفسِ انسانی کو ضُعف پہچانے والے عوامل

گذشتہ ابواب میں اس امر پر بحث کی جا چکی ہے کہ تمام انسانی افعال کا اثر اس کے نفس پر ہوتا ہے خواہ وہ فعل مثبت ہو یا منفی، معمولی ہو یا بڑا۔ تاہم کچھ افعال ایسے ہیں جن کا قرآن مجید نے بالخصوص نفس کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ مثبت اور منفی دونوں حوالوں سے۔ اس باب میں بالخصوص ان افعال کو زیرِ بحث لایا جا رہا ہے جو نفس انسانی پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ تاہم ان افعال پر بحث سے قبل ایک امر کی صراحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام بنی نوع انسانی کو راہ ہدایت دے دیتا اور کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہی باقی نہ بچتا لیکن اس نے اپنی مشیت سے ایسا نہیں کیا تو کیوں نہیں کیا؟

اگر اللہ چاہتا تو تمام نفوس کو ھدایت دے دیتا

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے اسی نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا وہ زندگی، موت اور شعور سمیت تمام تقدیرات پر مکمل قادر ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (۱۰۶/۱)

بے شک اللہ تعالیٰ تمام تقدیرات پر قادر ہے۔

اسی بنیاد پر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتا اور تمام نفوس راہِ ہدایت پر رہتے اور کسی ایسے عامل یا عوامل کا وجود ہی نہ رہتا جو انسانی نفس کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ لم اللہ نے اپنی مشیت سے ایسا نہیں کیا۔ اس حوالے سے ارشادِ ربانی ہے

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ
مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○ (۳۲/۱۳)

اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں جہنم کو جن وانس سے بھر دوں گا۔

تاہم اس آیت سے ہرگز یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ نعوذ باللہ خدا ظالم ہے اور وہ خود ہی نہیں چاہتا کہ تمام نفوس کو ہدایت ملے تا کہ جہنم کا پیٹ بھرا جا سکے۔ یہ تصور بھی گناہ ہے۔ اللہ سے کسی قسم کے ظلم کا تصور وابستہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ خود اپنی پیدا کردہ مخلوقات جو اس کے آگے کسی قسم کی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں جنہیں اگر وہ چاہے تو چشم زدن میں نیست و نابود کر سکتا ہے ان پر ظلم کرتا پھرے۔ اس حوالے سے متعدد آیات قرآنی کے حوالے پیچھے دیئے جا چکے ہیں اور از روئے قرآن یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ اللہ سے ظلم کا تصور وابستہ نہیں ہو سکتا۔ یہ انسان کے خود اپنے اعمال بد ہوتے ہیں جو مکافاتِ عمل کی صورت میں جب مصائب و مشکلات کی صورت میں سامنے آتے ہیں تو انسان سارا الزام آسانی سے اللہ پر دھر دیتا ہے اور خود کو معصوم عن الخطاء قرار دے لیتا ہے۔ اس کا ایک عام مظہر خود روزمرہ زندگی کی گفتگو ہے۔ غور کیجئے جب بھی کسی فعل کے کسی منفی نتائج پر گفتگو کی جاتی ہے تو کیا کہا جاتا ہے "اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو" یعنی منفی نتائج نعوذ باللہ صرف اللہ سے منسوب ہیں صرف اللہ ہی (معاذ اللہ) مصیبتیں اور پریشانیاں پیدا کرتا ہے ورنہ حضرت انسان تو "کمال خیر" ہیں۔ اسی طرح ہر منفی بات سے پہلے "خدانخواستہ" کا استعمال کیا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ ہی منفی صورتحال پیدا کرتا ہے۔ اس طرح کئی عام محاورے بھی

Marfat.com

اس حوالے سے پیش کیے جاسکتے ہیں جسمیں مثبت پہلو انسان کی جانب اور منفی پہلو خدا سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ یاد رکھیئے اس قسم کے جملے جن میں خدا کو منفی کردار میں پیش کیا گیا ہو اللہ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہیں لہذا اس قسم کے جملوں، محاوروں اور گفتگو سے پرہیز لازمی ہے جس میں اللہ سے ایسی بات منسوب کی گئی ہو جو اس کی شان کے خلاف ہو۔ اس صورتحال کی ذمے داری بہت بڑی حد تک عقیدہ جبر پر عائد ہوتی ہے جسے عقائد کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اس عقیدے کی اساس ہی یہ ہے کہ تمام مشکلات، پریشانیاں اور مصائب پہلے سے اللہ نے انسانوں کے نصیب میں لکھ دی ہیں۔ جب عقائد و تصورات کی بنیاد ہی یہ ہو کہ اللہ نے تمام منفی صورتحال پہلے سے لکھ دی ہے اور انسان اسے برداشت کرنے پر مجبور ہے تو زبان اور بیان میں اس قسم کے محاوروں، جملوں اور گفتگو کا در آنا ایک بالکل قدرتی امر ہے۔ تاہم یہ ساری صورتحال قطعی خلاف حقیقت ہے۔ قرآن اللہ کا ایک قطعی مختلف روپ پیش کرتا ہے جو اس سے قطعی متضاد ہے جو جمود کا رزق کھانے والے صدیوں سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں اور پھر بھی اس بات پر مصر ہیں کہ

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا

لہذا اس حقیقت کو ذہن میں رکھیئے کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا یہ انسان کے اپنے منفی اعمال ہیں جو اس کے سامنے منفی نتائج لے کر آتے ہیں۔

تمام نفوس کو ھدایت کیوں نہیں دی گئی؟

یہاں بدیہی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام نفوس کو آخر ہدایت کیوں نہیں دی گئی تا کہ دنیا سے شر کا خاتمہ ہو جاتا اور سب راہِ ہدایت کے مسافر بن جاتے؟

Marfat.com

اس کا جواب ہے آزمائش۔ آزمائش سے کیا مراد ہے اس پر پہلے باب میں بعنوان ''نفس انسانی ذریعہ آزمائش'' میں بحث کی جا چکی ہے اور باب سوم میں بھی بعنوان ''علت تخلیق ارض وسما'' میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر نفس اپنے کسب کا بدلہ کمائے۔ اچھے افعال کے بدلے جنت اور افعالِ بد کا نتیجہ جہنم کی شکل میں سامنے آئے گا۔ اب اگر تمام نفوس کو راہ ہدایت کا پابند کر دیا جاتا تو کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی ختم ہو جاتا۔

تمام تکالیف نفس کی بدی کی وجہ آتی ہیں۔

مکافات عمل ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ روزانہ زندگی میں عام طور پر ہوتا ہے اور غالباً سب سے زیادہ وقوع پذیر ہونے والی ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس سے انسان سب سے زیادہ نظریں چرائے رکھتا ہے۔ حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی یا جو آج بوو گے کل وہی کاٹنا ہوگا۔ جیسا کے پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ انسانی افعال کے نتائج مستقبل میں مرتب ہوتے ہیں۔ اچھے اعمال کے اچھے نتائج اور برے اعمال کے برے نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے سامنے جو بھی تکالیف آتی ہیں وہ صرف اور صرف اس کے نفس کی بدی کی وجہ سے آتی ہیں۔ انسان کا نفس اسے بدی یا برے افعال پر اکساتا ہے (اس اکساہٹ کی وجوہات پر پانچویں باب میں بحث کی گئی ہے) کمزور قوتِ ارادی کے حامل افراد اس اکساہٹ کے زیرِ اثر منفی افعال انجام دے دیتے ہیں اور پھر مکافات عمل کے قانون کے تحت ان افعال کے نتائج مختلف تکالیف، مصیبتوں اور پریشانیوں کی شکل میں سامنے آنے لگتے ہیں اس حقیقت کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (۴/۷۹)

تم کو جو حسنات حاصل ہوتی ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہیں اور جو بھی برائی تم تک پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی وجہ سے ہے۔

اس حقیقت کو بیان کرنے کا پیرایہ اظہار سورۃ آل عمران میں یہ ہے

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ
قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ط اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۳/۱۶۵)

اور کہا (یہ سچ نہیں کہ) جب (بھی) تمہیں کوئی ایسی تکلیف پہنچی جس سے دوگنی تم (خود) پہنچا چکے تھے تو تم نے کہہ دیا کہ یہ کہاں سے آگئی کہو کہ یہ تمہارے اپنے نفوس کی طرف سے ہے اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

نفس پر آنے والی مصیبت طے شدہ قانون کے مطابق آتی ہے:

اس امر کے ساتھ کہ انسان پر آنیوالی ہر قسم کی برائی اس کے اپنے نفس کی وجہ سے آتی ہے یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھنی لازمی ہے کہ دنیا اور نفوس پر آنے والی مصیبتیں اللہ کی اپنی مشیت سے طے کردہ قانون کے تحت آتی ہیں جنکا محرک صرف اور صرف انسان ہوتا ہے اللہ نے تو قانون متعین کر دیا ہے کہ ایسا کروگے تو ایسا ہوگا ویسا کروگے تو ویسا ہوگا۔ اب یہ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ کونسی تقدیر کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر برائی کی راہ اختیار کی جائے گی تو برے افعال کے برے نتائج کی تقدیر اس پر منطبق ہو جائے گی اور جو اس جرم کی سزا ہوگی وہ اس تقدیر کے تحت متعین ہے مجرم کو اتنی ہی سزا ملے گی نہ اس سے زائد نہ کم۔ اس قانون کو ان

Marfat.com

الفاظ میں سورۃ الحدید میں بیان کیا گیا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ
اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝
(۵۷/۲۲)

دنیا اور تمہارے نفوس میں آنیوالی تمام مصیبتیں ان کی تخلیق سے قبل متعین ہونے والے قانون کے تحت آتی ہیں یہ بات اللہ کے لیئے بالکل آسان ہے۔

لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی شے کے تخلیق سے قبل اس کے افعال کے حوالے سے قانون مشیت طے ہوجاتا ہے اب یہ اس تخلیق کا انتخاب ہوتا ہے کہ وہ کس تقدیر کا انتخاب کرتی ہے جس قسم کی تقدیر کا انتخاب کیا جائے گا اسی طرح کے نتائج کا انتخاب کرنے والے کو سامنا کرنا ہوگا۔ یہ یاد رکھیئے کہ اللہ کی سنت (قانون) کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

اور اللہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ (۳۳/۶۲)

وہ افعال جو نفس کو ضرر پہنچاتے ہیں:

از روئے قرآن ایسے افعال جن سے نفس کو ضرر پہنچتا ہے انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اول وہ افعال جن سے نفس کو نقصان پہنچتا ہے۔ دوم وہ انتہائی برے افعال جن سے نفس ہلاک ہوجاتا ہے۔ ایسے افعال جن سے نفس کو نقصان پہنچتا ہے ان میں شرک، کفر، منافقت، حیات بعد الموت سے انکار، تقلید، دنیا کی ہوس، بخل، اللہ کی حدود کو توڑنا یا اللہ کی نافرمانی وغیرہ شامل ہیں جبکہ ایسے افعال جو براہ راست نفس کی موت پر منتج ہوتے ہیں ان

Marfat.com

میں باطل ذرائع سے رزق کا حصول، خود بھی قرآن سے دور رہنا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا اور جہاد سے فرار کے لیئے حیلہ سازی شامل ہیں۔ ان افعال کا انفرادی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔ اس حوالے سے پہلے ان افعال کو زیر بحث لایا جارہا ہے جو نفس کو نقصان پہنچاتے ہیں یعنی اس کے توازن کو درہم برہم کردیتے ہیں۔ یہ افعال مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ تقلید یا اسلاف پرستی:

تقلید یا اسلاف پرستی سے مراد یہ ہے کہ انسان عقل وفکر سے قطعی کوئی کام نہ لے اور جو کچھ اسلاف سے اس تک پہنچا ہے اسے حرفِ آخر مان کر اس پر بعینہٖ عمل کرتا رہے۔ بالکل اس جانور کی طرح جس کے ناک یا گلے میں رسی ڈال دی جاتی ہے اور وہ رسی کھینچنے والے کے پیچھے بغیر سوچے سمجھے چلتا چلا جائے۔ یہ غلامی کی سب سے بدترین شکل ہے۔ جسمانی غلامی اور اقتصادی غلامی سے بڑھ کر اس صورت میں انسان کی عقل وفکر ماؤف کردی جاتی ہے اور انسان اور جانور میں قطعی کوئی فرق نہیں رہتا۔ یہ مذہبی پیشوائیت کا سب سے محبوب مشغلہ ہوتا ہے بلکہ مشغلہ سے بڑھ کر مجبوری ہوتی ہے کیونکہ ان کے روزگار کا انحصار اسی پر ہوتا ہے اور اپنے روزگار پر کوئی لات نہیں مارنا چاہتا۔ اب اس کی قیمت خود مذہبی پیشوائیت اور ان کے اطاعت گذار کیا ادا کرتے ہیں اس کی کسی کو کوئی فکر نہیں بلکہ یوں کہیے کہ شعور ہی نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ افراد اور اقوام دونوں کولہو کے بیل کی طرح سفر میں رہتے ہیں جو اپنی دانست میں نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر چکا ہوتا ہے جبکہ درحقیقت وہ ایک دائرے میں سفر کر رہا ہوتا ہے۔ قرآن مجید اسے محض ظن اور فاسد نفسانی خواہشات کی پیروی قرار دیتا ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَ اٰبَآؤُكُم مَّآ
أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِن سُلْطٰنٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا
تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ (۵۳/۲۳)

وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیئے ہیں اللہ نے ان کے لیئے کوئی سند نازل نہیں کی یہ لوگ محض ظن اور (فاسد) خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کے طرف سے ہدایت آچکی ہے۔

اس آیت سے قطعی واضح ہے کہ اسلاف پرستی کو قرآن محض ظن اور فاسد خواہشات نفس کی پیروی قرار دیتا ہے۔ ظن کا لفظ شک اور قیاس کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اُسے یقین اور حق کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ متذکرہ بالا آیت (۵۳/۲۳) سے بھی واضح ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ظنون قیاس آرائیوں کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے (۱۰/ ۳۳) سورۃ بقرہ میں اسے علم کے مقابلے میں لایا گیا ہے (۲/۷۸)۔ سورۃ النساء میں بھی اسے علم کے مقابل لایا گیا ہے ''انہیں اس بابت علم نہیں وہ محض ظن کا اتباع کرتے ہیں'' (۴/۱۵۷) سورۃ یونس میں اسے حق کے مقابل لایا گیا ہے ''ظن حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا'' (۱۰/۳۶)۔ تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن مجید میں ظن کا لفظ قیاس آرائیوں، غیر یقینی صورتحال وغیرہ کے لیئے استعمال ہوا ہے یعنی جہاں صورتحال واضح اور یقینی نہ ہو۔ ایسی صورتحال میں انسان کبھی اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی اس سے دور ہٹ جاتا ہے اس لحاظ سے دونوں پہلو ظن

Marfat.com

کہلاتے ہیں۔

متذکرہ بالا آیات کی رو سے ان چند ناموں / بتوں کی پرستش جو اسلاف نے رکھ دیئے تھے محض ظن ہے جس کی کوئی سند اللہ نے نازل نہیں کی اس کے مقابل واضح طور پر صرف قرآن مجید کو ہدایت کہا گیا ہے اور اسلاف پرستی کو خواہشاتِ نفس کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔ نفس اپنے متقی کردار میں صرف بری باتوں کا حکم دیتا ہے یہ انسان کے اعمال بد کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے جس سے انسان تباہی کے راستے پر چل پڑتا ہے (تفصیل کے لیئے دیکھیئے پانچواں باب)۔ اس بنیاد پر اسلاف پرستی محض تباہی کا راستہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس سے سختی سے مجتنب رہنے کو کہا گیا ہے کیونکہ اس کا انجام محض تباہی ہی ہوتا ہے مثلاً:

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ط
اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (۷/۷۱)

(ہود نے) کہا تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیئے ہیں جن کی خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

بنیادی طور پر اسلاف پرستی میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں انسان اللہ کے احکامات کی اطاعت کی بجائے، انسانوں کے احکامات کی اطاعت کرنے لگتا ہے اور بالائے ستم یہ کہ ان انسانوں کے احکامات کی جو مدتوں پہلے مر چکے ہوتے ہیں جنہوں

Marfat.com

کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا ہوتا کہ آنیوالی نسلیں ڈھور ڈنگر کی طرح ان کے احکامات کی اطاعت کریں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کے احکامات و ہدایات نظر انداز ہوتی ہیں تو نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے لوگوں کی بڑی اکثریت اس بنیادی حقیقت سے آگہی نہیں رکھتی۔ اس حقیقت کو سورۃ الیوسف میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۲/۴۰)

جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (یاد رکھو) اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر انسان علم نہیں رکھتے۔

اسلاف پرستی نری غفلت ہے اس مسلک میں چونکہ عقل و فکر، تدبر دانش، استدلال جیسے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ انسان اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کا استعمال چھوڑ دیتا ہے لہذا مشیت ایزدی کے طے شدہ قانون کے مطابق انہیں سوچنے سمجھنے سے معذور کر دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے تقدیر کے قاضی کا روزِ ازل سے حکم یہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۲/۶-۷)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰي سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓي اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

جو لوگ کافر ہیں (انہیں) تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان

Marfat.com

نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اس قسم کے لوگ کے لئے واپسی کی راہیں بھی مسدود کر دی جاتی ہیں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (۲/۱۸)

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح راہِ ہدایت کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔

اس حقیقت کا اعادہ سورۃ یٰسین میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۳۶/۵-۱۰)

(یہ خدائے) غالب اور مہربان نے نازل کیا ہے تا کہ ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا متنبہ کر دو کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر پر (خدا کی) بات پوری ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک ہیں۔

Marfat.com

جن سے ان کے سر اوپر کو الٹ گئے ہیں ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے اور ایک آڑ ان ان کے پیچھے ہے جن سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا ہے سو وہ دیکھ نہیں سکتے اور آپ ان کو نصیحت کریں نہ کریں ان کے لیئے برابر ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

باالفاظ دیگر وہ آنکھیں جو ماتھے پر ہیں وہ اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہوتے ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (۲۲/۴۶)

اصل بات یہ ہے کہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اسلاف پرستی منفی خواہشاتِ نفس میں سے ایک ہے (۵۳/۲۳) اور جب انسان خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے تو وہ علم رکھتے ہوئے گمراہ ہوتا ہے ایسی صورت میں اللہ بھی اس کے قلب (سوچنے سمجھنے کی صلاحیت) پر مہر لگا دیتا ہے باالفاظ دیگر اسے سلب کر لیتا ہے۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۵/۲۳)

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود علم کے (گمراہ ہو رہا) ہے تو خدا نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا ان کے کانوں اور دلوں پر مہر لگا دی اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور اللہ کے سوا کون اسے راہ

Marfat.com

راست پر لاسکتا ہے تو تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ از روئے قرآن اسلاف پرستی نفس کی بری خواہشات میں سے ایک ہے اور اس راہ کو اختیار کرنا محض نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے جس کی وجہ سے اللہ عقل وفہم کی صلاحتیں سلب کر لیتا ہے اور انسان حیوانی سطح پر آجاتا ہے بلکہ اس سے بھی نیچے اور یہ راہ صرف اور صرف تباہی کی راہ ہے۔

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۝
إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِينَ ۝
إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ أَصْلِ الْجَحِيمِ ۝
طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ ۝
فَإِنَّهُمْ لَأٰكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِـُٔونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝
ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝
ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ۝
إِنَّهُمْ أَلْفَوْا ءَابَآءَهُمْ ضَآلِّينَ ۝
فَهُمْ عَلَىٰٓ ءَاثٰرِهِمْ يُهْرَعُونَ ۝
وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝

(۳۷/۶۲-۷۱)

بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا تھوہر کا درخت ہم نے اس کو ظالموں کے لیئے عذاب بنا رکھا ہے وہ ایک درخت ہے کہ جہنم کے اسفل میں اگے گا اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر وہ اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس کے ساتھ ان کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا پھر ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا

جائے گا انہوں نے باپ دادا کو گمراہی میں پایا سو وہ انہی کی طرف پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں اور ان میں سے بیشتر پہلے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔

ماحصل یہ کہ اسلاف پرستی یا آباواجداد کے نقش قدم پر اندھا دھند چلتے جانے کا انجام محض اور محض جہنم کی آگ ہے۔

۲۔ دنیاوی زندگی کی ہوس

وہ محرک جس کی وجہ سے انسانوں کی اکثریت بلکہ بہت بڑی اکثریت اپنے نفس کو تباہی کے گڑھے میں لا ڈالتی ہے وہ دنیاوی زندگی کی خواہشات کی تکمیل کی ہوس ہے۔

۳۔ بُخل سے نفس کی تباہی

بُخل کا مادہ ب خ ل ہے اس کے معنی ہیں اپنی چیزوں کو ایسی صورتوں میں روک لینا جب انہیں روکنا نہیں چاہیئے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دینا اس میں شامل ہے۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہو اور دوسروں کو اس کی ضرورت محسوس ہو تو مالک ضرورت کے وقت وہ شے ضرورتمندوں کو نہ دے نہ صرف یہ کہ خود ایسا کرے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دے، وہ جذبہ جو انسان کو اس طرز عمل پر اکساتا ہے وہ شُح کہلاتا ہے۔ متذکرہ بالا معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں استعمال کیا گیا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ (۳/۱۳۷)

جو خود بھی بُخل کریں اور لوگوں کو بھی بُخل سکھائیں اور جو مال اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں تو ایسے کافروں کے لیئے ہم نے

Marfat.com

ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

از روئے قرآن جو شخص بھی اس قسم کے طرز عمل کا مظاہرہ کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جیسا کہ متذکرہ بالا آیت سے واضح ہے تاہم انسان کا یہ طرز عمل ان کے نفس کے لیئے بھی شدید نقصان کا باعث بنتا ہے۔

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (۴۷/۳۸)

سنو تم وہ لوگ ہو جن کو اسلئے بلایا جاتا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور تم میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو بُخل سے کام لیتے ہیں اور جو بھی بُخل سے کام لے وہ اپنے نفس کے متعلق ہی بُخل سے کام لیتا ہے ورنہ اللہ بے نیاز ہے اور تم ہی محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ تو وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو بدل کر لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوگی۔

اس آیتِ کریمہ سے واضح ہے کہ اگر انسان بُخل سے کام لیتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس کو ضرر پہنچاتا ہے اور اس کے متعلق بخیلی سے کام لیتا ہے جیسا کہ آگے نفس کو تقویت دینے والے عناصر کی بحث میں ہم دیکھیں گے کہ از روئے قرآن انفاق (اللہ کی راہ میں رقم خرچ کرنا) سے نفس کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ بُخل چونکہ انفاق کی ضد ہے لہذا یہ نفس کو ضُعف پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے اور نفس جس قدر ضعیف ہوگا انسان دنیاوی اور اخروی دونوں لحاظ سے اتنا ہی خسارے میں چلا جائے گا۔ اس لحاظ سے بنیادی اصول یہ ہے

Marfat.com

(۵۹/۹)

جولوگ نفس کے بُخل سے بچائے جاتے ہیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔

لہذا بُخل خواہ اس کی نوعیت کسی بھی قسم کی کیوں نہ ہو بہر حال نفس کے لیئے ضرر رساں ہے کیونکہ یہ اس کی نشو ونما اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

۴۔ استطاعت ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہ کرنا نفس پر ظلم ہے

ایسے لوگ جو زمین پر کسی ایسے مقام پر ہوں جہاں وہ نامناسب حالات کا شکار ہوں جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو اور وہاں رہنا کفر اور اہلِ کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو اور وہ ہجرت کی استطاعت رکھتے ہوئے بھی ہجرت نہ کریں تو ان کا یہ عمل نفس پر ظلم ہے۔ تاہم ایسے لوگ جو بے بس ہوں ان کے لیئے یہاں استثنیٰ ہے اور اللہ ایسے لوگوں کو معاف کرنے والا ہے تاہم الزام صرف ان لوگوں پر ہوگا جو ایسا کر سکتے ہوں اور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی ایسا نہ کریں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ

(۴/۹۷-۹۹)

جولوگ اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کو موت دینے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں

تھے فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ ماسوا وہ مرد اور عورتیں اور بچے جو بے بس ہیں جو نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ راہ جانتے ہیں۔ قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

۵۔ اللہ کی حدود سے نکل جانا نفس کے لیئے تباہی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے انسانوں کے لیئے کچھ حدود و قیود کا تعین کیا ہے جنہیں حدود اللہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کی متعین کردہ حدود و قیود میں رہیں اور ان سے باہر نہ نکلیں لیکن جو انسان ان حدود کو پائمال کرتے ہیں وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے سوائے اس کے کہ اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالتے ہیں۔ اس حقیقت کو سورۃ الیونس میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۰/۲۲-۲۳)

وہی تو ہے وہ جو تم کو بر اور تر میں چلنے کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور کشتیاں عمدہ ہوا کے ذریعے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان پر جوش مارتی ہوئی آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے

Marfat.com

ہیں کہ اب وہ لہروں میں گھر گئے تو اس وقت خالص اللہ کی عبادت کرتے اس سے دعا مانگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر تو ہم کو اس سے نجات دے دے تو ہم تیرے شکر گذار بندوں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچاتا ہے تو زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں لوگو! تمہارے حدود سے نکل جانے کا وبال تمہارے نفوس پر ہوگا تم دنیا کی زندگی سے منفعت حاصل کر لو پھر ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تم کو بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ایک خاص گروہ کے طرزِ عمل کی وضاحت کی ہے یہ گروہ وہ ہے جو زمین میں صرف فساد پھیلاتے ہیں تاہم کسی وقت اگر مصیبت میں پھنس جائیں تو بہت خشوع وخضوع کیساتھ اللہ کو یاد کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے گا تو ہم تیرے شکر گذار بندے بن جائیں گے اور جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اپنی سابقہ حالت کو لوٹ جاتے ہیں اور فساد فی الارض میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ متذکرہ بالا آیت (۱۰/۲۳) میں ان کے طرزِ عمل کے لیئے لفظ بغیکم استعمال کیا گیا ہے اس کا مادہ ب غ ی ہے جس کی معنی ہیں میانہ روی سے آگے بڑھ جانے کی خواہش خواہ عملی طور پر ایسا کیا جا سکے نہ کیا جا سکے۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو طلب کرنا یا بگڑ جانا ہیں۔ قرآن مجید میں اسے متعدد مقامات پر انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مثلاً بغی علیہ (۲۲/۶۰) ''جس پر زیادتی ہوئی ہو'' فبغی علیھم (۲۸/۷۶) وہ (قارون) ان پر زیادتی کرتا تھا۔ ابتغار الفتنۃ (۳/۶) ''فتنہ پیدا کرنے کی انتہائی خواہش''، سورۃ مریم میں بغیہ کا لفظ حدود شکن کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں حرام قرار دی جانے والی اشیاء خورد ونوش کے بعد ان لوگوں کو اس سے استثناء دی گئی ہے جن کی بھوک سے جان پر بن

Marfat.com

آئے تاہم ان کا اس حوالے سے حدود فراموشی کا ارادہ نہ ہو۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط (۲/۱۷۳)

پس جو لاچار ہو جائے مگر نہ سرکش کرنے والا ہو نہ حد سے بڑھنے والا۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ اللہ کی متعین کردہ حدود سے آگے جانا یا اللہ کی حدود کو توڑنا نفس کے لیئے خسارے کا سودا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر احکام الٰہی کے بیان کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے باہر جانے کی کوشش نہ کرو۔ لہذا ان احکامات الٰہی کی خلاف ورزی کا مطلب اللہ کی حدود کو توڑنا ہے اور اس کا نتیجہ صرف اور صرف نفس کا خسارہ ہے۔

۶۔ نفس کی خیانت

نفس کی خیانت کی اصطلاح قرآن مجید میں دو مقامات (۴/۱۰۷)، (۲/۱۸۷) پر استعمال کی گئی ہے۔ خیانت کا مادہ خ و ن ہے۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کم کر دینے کے ہوتے ہیں۔ یہ امانت کی ضد ہے۔ اس کا اطلاق نفاق، بے وفائی، دین کے معاملے میں مخالفت کرنے کے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ذمہ داری نہ نبھانا اور عہد و پیماں کو توڑنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ کمزوری، اعتماد و بھروسہ کو ضائع کرنا بھی اس کے معنوں میں شامل ہے۔
اس حوالے سے قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ط
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عَلِمَ اللّٰهُ

Marfat.com

اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا
عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (۲/۱۸۷)

روزوں کی راتوں میں تمہارے لیئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفوس میں خیانت (حق تلفی) کرتے تھے اس لیئے اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری اصلاح کر دی سو اب تم ان کے پاس جاؤ اور اللہ کے قانون کے مطابق (اولاد) کی جستجو کرو۔

رمضان کی راتوں میں جنسی اختلاط سے بالکلیۃ کنارہ کش رہنا ایک مخصوص تناظر میں جنس کے فطری حق کی ذمے داری نہ نبھانا ہے گویہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نفس میں خیانت سے مراد فطری جذبات کے حوالے سے عائد ہونے والی ذمے داریوں کو نہ نبھانا ہے جس کی اس آیت کے ذریعے ممانعت کر دی گئی ہے اور مسلمانوں کو رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جنسی اختلاط کی اجازت دے کر نفس کی خیانت کی اس راہ کو بند کر دیا گیا ہے۔

یقیناً اللہ اپنے نفوس میں خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس حقیقت کا اظہار سورۃ النساء کی مندرجہ ذیل آیت سے ہوتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ (۴/۱۰۷)

اور ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے نفوس کی خیانت کرتے ہیں مت جھگڑیئے اللہ خائن اور گناہ گاروں کو دوست نہیں رکھتا۔

Marfat.com

نفس کی خیانت کرنے والے یہ لوگ کون ہیں اس کی صراحت اس آیت سے متصل اگلی آیت میں یہ کہہ کر دی گئی کہ یہ منافقین ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو اطاعت وفرماں برداری کا اقرار کرتے اور راتوں کو تنہائی میں آپؐ کے خلاف مشورے / سازشیں کرتے۔

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝

(۴/۱۰۸)

وہ لوگوں کے سامنے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے وہ راتوں کے وقت ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے اللہ ان کے تمام اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

لہذا ان آیاتِ کریمہ (۱۰۸۔۱۰۷/۴) سے جو بالواسطہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ منافقت نفس کی خیانت ہے۔ منافق بنیادی طور پر دورخی پالیسی پر چلتا ہے وہ بظاہر مسلمانوں کے گروہ میں ہوتا ہے ان کو اپنی حمایت کا یقین دلاتا ہے لیکن در پردہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوتا ہے۔ اپنے اس طرز عمل سے وہ دین سے بے وفائی کرتا ہے، اس کی مخالفت کرتا ہے اور اپنے اوپر مسلمانوں کے اعتماد کو مجروح کرتا ہے اس حوالے سے اپنے نفس کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ طرز عمل ظاہر ہے صرف اور صرف تباہی کی راہ پر لے جاسکتا ہے اس سے ماسوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (۴/۱۰۸) میں ایسے لوگوں کو خود اللہ تعالیٰ نے خائن اور اثیم (گناہ گار) قرار دیا ہے اور ان سے اپنی بے زاری کا اعلان کیا ہے۔

Marfat.com

نفس کی ہلاکت

اس سے قبل کہ نفس کی ہلاکت پر بحث کی جائے لفظ ''ہلاک'' کے معنی کا تعین ضروری ہے۔اس لفظ کا مادہ ھ ل ک ہے جس کے بنیادی معنی ٹوٹنے، گر پڑنے، مر جانے کے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لفظ عذاب، فقر اور خوف کے معنی بھی میں استعمال ہوتا ہے۔اس کے علاوہ کسی چیز کا اپنے پاس نہ رہنا، کسی شے کا خراب اور بدحال ہو جانا یا ضائع ہو جانا یا ایسی اشیاء کے لیئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو بالآخر تباہی کے طرف لے جائیں۔ان سب مفاہیم کے لیئے ہلاک کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ہلاکت کے معنی قوتِ کے کم ہو جانے کے بھی ہیں۔سورۃ الحاقۃ میں اسے اقتدار چھن جانے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے کہ ھلک عنی سلطانیہ (۶۹/۲۹) ''میرا اقتدار مجھ سے چھن گیا''۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ ہلاک ہونے کے معنی صرف مر جانا نہیں بلکہ یہ ضُعف، ٹوٹنے، ضائع ہونے یا ایسے امور کے لیئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جن کا انجام محض تباہی ہو۔اس پس منظر میں نفس کی ہلاکت سے مراد نفس کی موت کے علاوہ اس کا ضُعف، ضائع ہو جانا یا قوت کے کم ہو جانے کے ہوں گے۔قرآن مجید میں یہ اصطلاح دو (۲) حوالوں سے استعمال ہوئی ہے اوّل تین مخصوص اعمال بد کے نتیجے میں نفس کی ہلاکت کے حوالے سے، دوم شرک اور دوسرے گناہوں کے نتیجے میں نفس کے مصنوعی تکبر کے خاتمے کے لئے۔ ان دونوں حوالوں سے اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

ا) وہ افعال یہ جو نفس کی ہلاکت پر منتج ہوتے ہیں

ازروئے قران تین (۳) مخصوص افعالِ بد ایسے ہیں جو نفس کی مکمل تباہی کا پیش خیمہ ثابت

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ ان افعال میں دوسروں کا مال باطلِ ذرائع سے کھانا، قرآن سے دور رہنا اور دوسروں کو بھی قرآن سے روکنا اور جہاد سے فرار کے لئے حیلہ سازی شامل ہیں۔ ان تینوں افعالِ بد کی وضاحت ذیل میں کی گئی ہے:

الف) دوسروں کا مال باطل طریقوں سے کھانے سے نفس کی ہلاکت

ازروئے قرآن دوسروں کا مال باطل طریقوں سے کھانے سے نفس کی ہلاکت واقع ہو جاتی ہے۔ اس امر کا اثبات حسبِ ذیل آیتِ قرآنی سے ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (۴/۲۹)

اے اہل ایمان! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ ہاں مگر آپس کی رضامندی سے تجارت کے ذریعے مال کا حصول جائز ہے اور تم اپنے نفوس کو قتل نہ کرو اللہ یقیناً تم پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہاں باطل طریقوں سے مراد حصول مال کے وہ تمام طریقے ہیں جنہیں قرآن نے ناجائز قرار دیا ہو اور عام اصول وضوابط کے تحت بھی جائز ہونے کی سند نہ رکھتے ہوں۔ جہاں تک حصول مال یا رزق کے حصول کے ذریعے کا تعلق ہے جو قرآن میں مذکور ہے تو وہ صرف اور صرف محنت کا ہے اس سے ماسوا کچھ نہیں۔ اس بنیاد پر کرایہ، مضاربہ، مزارعت اور ایسے تمام ذرائع جو ماسوا انسانی محنت آمدنی پیدا کرتے ہوں ازروئے قرآن جائز نہیں ہیں۔ لہٰذا ازروئے قرآن حلال ذریعہ رزق صرف انسانی محنت ہے اس کے ماسوا سب باطل ہے! اس حوالے سے تفصیلی بحث مری کتاب "مروجہ اسلامی معاشی تصورات قرآنی تناظر

Marfat.com

میں'' میں کی گئی ہے۔لہذا ہر وہ مال یا رزق جو انسانی محنت کا نتیجہ نہ ہو وہ از روئے قرآن باطل ہے۔ دوسری طرف مال کے حصول کا کوئی بھی ایسا طریقہ جو عام قانون معاہدہ کی خلاف ورزی کے ذیل میں آتا ہو وہ بھی ظاہر ہے باطل ذرائع رزق میں ہی شمار ہوگا۔اس کی مثالوں میں دھوکہ، غلط بیانی، ناجائز دباؤ، معاہدہ کی شرائط کی عدم پاسداری، نابالغ سے معاہدہ وغیرہ شامل ہیں۔ باالفاظ دیگر کوئی بھی ایسا مال جو قانونِ معاہدہ کی خلاف ورزی سے حاصل کیا گیا ہو وہ بھی باطل ذرائع میں شمار کیا جائے گا۔ازروئے قرآن اس قسم کے ذرائع سے حاصل کیا جانیوالا مال یا زرنفس کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔

ب) قرآن سے دور رہنا اور دوسروں کو بھی قرآن سے روکنا نفس کی ہلاکت ہے

ازروئے قرآن، قرآن سے دور رہنا اور لوگوں کو قرآن کے قریب آنے سے روکنا ایسے افعال ہیں جو نفس کی ہلاکت پر منتج ہوتے ہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ (۶/۲۶)

وہ اس (قرآن) سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں (ان باتوں سے) وہ اپنے نفس ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔

ایسے لوگ جو خود بھی اپنی بدنصیبی کی وجہ سے قرآن سے دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس راہِ ہدایت سے روکنے کی شعوری یا لاشعوری کوشش میں مصروف ہوتے ہیں وہ بھی اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت صرف قرآن ہے صرف قرآنی تعلیمات سے ہی نفس کی ترقی، اس توازن اور استحکام ممکن ہے۔ انسانی عقل میں یہ

Marfat.com

صلاحیت ودیعت ہی نہیں کی گئی کہ وہ فلاح کی راہ کا تعین تو درکنار اسے دریافت بھی کر سکے۔ لہذا جو لوگ اس منبع ہدایت سے دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں وہ ایک ایسی راہ کے مسافر ہوتے ہیں جو صرف اور صرف تباہی کی راہ ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اس امر کا شعور نہیں رکھتے کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر اپنے لیئے کس تباہی کا سامان کر رہے ہیں۔

ج) جہاد سے فرار کے لیئے حیلہ سازی نفس کی موت ہے

جہاد خواہ وہ مال کے ذریعے ہو یا جان کے ذریعے اس پر قرآن مجید میں بہت زور دیا گیا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (۹/۴۱)

اور اللہ کی راہ میں نکلو خواہ ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہی تمہارے لیئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو تو۔

صرف متذکرہ بالا آیت ہی نہیں جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی متعدد آیات پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً (۹/۳۱)، (۹/۳۹) وغیرہ جہاں جہاد کا حکم اور ترغیب موجود ہے۔ جہاد مسلمانوں پر فرض ہے تاہم ایسے لوگ جو اس عظیم مقصد سے راہِ فرار اختیار کریں اور اس مقصد کے لیئے حیلے بہانے تلاش کریں وہ بھی اپنے نفوس کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

Marfat.com

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ
وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (۹/۴۲)

اگر مال غنیمت سہل الحصول ہوتا اور سفر بھی ہلکا ہوتا تو تمہارے ساتھ چل دیتے لیکن مسافت ان کو دور کی نظر آئی تو خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کیساتھ ضرور نکل پڑتے یہ اپنے نفوس کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

فوری معاوضے کے طالب ایسے لوگ جن کی نظریں صرف اور صرف جلد ہاتھ آنے والے مفادات پر جمی ہوتی ہیں جب ان کے سامنے کوئی ایسی صورتحال آتی ہے جو مشکل اور طویل المیعاد ہوتی ہے تو فوراً حیلہ سازی شروع کر دیتے ہیں۔ اس قسم لوگ بھی اپنے طرز عمل سے اپنے ہی نفوس کو ہلاک کرتے ہیں اور کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے۔

ہلاکت نفس کی اصطلاح، اصلاح کے معنوں میں:

قرآن مجید میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں نفس کی ہلاکت کی اصطلاح، اصلاحی معنوں میں استعمال کی گئی ہے۔ اس حوالے سے سورۃ البقرہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ
بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۲/۵۴)

Marfat.com

جب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنے نفوس پر ظلم کیا ہے اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور اپنے نفوس (امارہ) کو قتل کرو تمہاری بہتری اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ان کی قوم نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی تھی جو پستی کی انتہائی حد تھی۔ شرک ویسے بھی سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس گناہ کے نتیجے میں ان کی قوم نے اپنے نفوس پر بڑا ظلم کیا تھا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اس صورتحال میں ان ملول ہونا ایک فطری امر تھا۔ تاہم اس صورتحال کی اصلاح کے لیئے اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے ان کی قوم کو جو طریقہ کار بتایا وہ یہ تھا کہ اس گناہ کی وجہ سے ان کا نفسِ امارہ جس طریقے سے ان پر حاوی ہو گیا ہے اس سے نجات کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس امارہ کو جھکا دو یا اسے اپنے قابو میں دوبارہ لے آؤ اس مقصد کے حصول کے لیئے اپنے اس فعل بد پر اللہ سے استغفار کرو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور بے پناہ رحم کرنے والا ہے۔ نتیجے کے طور پر ان کی قوم نے اللہ سے توبہ کی اور اللہ نے ان کی اس توبہ کو قبول کیا۔

اس آیت سے جو بنیادی نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب نفس کی سرکشی اس حد تک بڑھ جائے کہ نفسِ امارہ خود انسان پر حاوی ہو جائے تو اس سے نجات کا واحد راستہ سچے دل سے توبہ اور ضبط نفس اس حوالے سے ہے کہ انسان ان تمام افعال بد سے تائب ہو جائے جن کی وجہ سے وہ نفس امارہ کے ہاتھوں کھلونہ بن جاتا ہے اور صدق دل سے راہ راست پر چلنے

Marfat.com

عہد کرے تو نفس امارہ خود بخود ''ہلاک'' ہو جاتا ہے اور انسان بتدریج نفس مطمئنہ کی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔

اس حوالے سے جہاں تک روایتی فکر کا تعلق ہے اس حوالے سے جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ عقل وفہم سے قطعی ماورا ہے۔ روایتی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اس شرک سے روکا تو انہیں توبہ کا احساس ہوا اور توبہ کا طریقہ باہمی قتل وغارت گری تجویز کیا گیا۔ فاقتلوا انفسکم (اپنے کو آپس میں قتل کرو) کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ سب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری یہ کہ ارتکابِ شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ رہے تھے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا چنانچہ انہوں نے قتل عام کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ صورتحال بلاتبصرہ ہے۔ اقبال نے سچ کہا تھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی　　یہ امت روایات میں کھو گئی

اس حوالے سے دوسری آیت سورۃ النساء کی آیت ۶۶ ہے جہاں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ (۴/۶۶)

اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے نفوس (امارہ) کو قتل کر دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ یہ حکم بجالاتے اور اگر یہ وہی کریں جن کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لیئے بہتر اور پختگی کا موجب ہے۔

Marfat.com

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ خطاب کن لوگوں سے کیا جارہا ہے تو اس کا جواب ہے منافقین سے اور ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے نفوس پر ظلم کیا تھا۔ اس آیت (۴/۶۶) سے بالکل متصل گذشتہ چھ (۶) آیات کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں مسلسل ان لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے جن کا طرزِ عمل منافقانہ ہے۔ ان کے طرزِ عمل کے بیان کے بعد کہا گیا ہے کہ اگر انہیں یہ حکم دیا جاتا کہ اپنے نفس (امارہ) کو اپنے قابو میں لاؤ یا اسے زیر کرو تو ان منافقین اور نفس کو خسارے میں ڈالنے والوں میں سے معدودے چند ہی ایسے ہوتے جو اس حکم ربانی کی تعمیل کر پاتے۔ یہاں اگر نفس کے قتل سے مراد انسانی قتل کیا جائے تو ظاہر ہے اس قسم کا حکم اللہ کیسے دے سکتا ہے کہ خود اپنے آپ کو قتل کر ڈالو؟ یہ یقیناً بعید از عقل و فہم بات ہے۔ یہاں بھی اور گزشتہ آیت میں بھی قتل نفس سے مراد نفس (امارہ) کا قتل ہے۔ یعنی منفی حیوانی اور شیطانی خواہشات پر قابو پانا تاکہ انسان حیوانی سطح سے اٹھ سکے اور انسانی سطح پر آسکے۔ اس امر کی مزید تصدیق خود آیت کے آخری الفاظ سے ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ "اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان کے لیئے بہتری اور پختگی کا سبب ہوتا"۔ قرآن کس بات کی نصیحت کر رہا ہے یقیناً تقویٰ کی راہ پر چلنے کی یہی وہ واحد راہ ہے جس پر چل کر انسانی نفس پختگی حاصل کرتا ہے۔

اس کی تصدیق خود اس آیت میں استعمال کیا جانے والا لفظ "تثبیتا" کر رہا ہے۔ اس کا مادہ ث ب ت ہے اور جس کے بنیادی معنی دوام شے کے ہوتے ہیں۔ سورۃ رعد میں اثبات بمقابلہ محو (مٹا دینا) آیا ہے (۱۳/۳۹)۔ سورۃ ابراھیم میں اسے رائیگاں نہ جانے، نتیجہ خیز اور بار آور ہونے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے (۱۴/۲۷)۔ سورۃ النحل میں اسے لغزش نہ کرنے یا جمے رہنے کے معنی میں (۱۶/۹۴)، سورۃ بنی اسرائیل میں نہ جھکنے، قطعی مائل نہ

Marfat.com

ہونے (۸/۱۱) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

یہ صورت حال اس امر پر بین شاھد ہے کہ اللہ کی نصیحت (تقویٰ کی راہ) پر چلنے سے نفس انسانی کو تقویت / پختگی حاصل ہوتی ہے اور وہ چٹان کی مانند ٹھوس ہو جاتا ہے جس سے منفی خواہشات، میلانات اور شیطانی ہتھکنڈے ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ تو سکتے ہیں اس کا بگاڑ کچھ نہیں سکتے۔

آنحضرت ﷺ کے خصوصی حوالے سے

نفس کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک قرآن مجید میں تین (۳) مختلف مقامات پر آیا ہے اگر چہ تینوں جگہ مضمون ایک ہی ہے۔ ان تینوں مقامات پر آپ ﷺ کے اس خلوص، ہمدردی اور انسانیت کے لئے فلاح کے جذبے کا اظہار کیا گیا جو نبی اکرم ﷺ اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (۱۸/۶)

اے پیغمبر اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ اپنے آپ کو رنج سے ہلاک کر لیں گے

اندازہ کیجیے نبی کے دل میں اپنے بدترین مخالفین کے لیئے اتنا درد ہے کہ خود قرآن شہادت دے رہا ہے کہ کیا آپ ﷺ اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ ﷺ اپنے آپ کو رنج و غم سے ہلاک کر لیں گے تصور کیجئے جس نبی کے دل میں اپنے بدترین دشمنوں کے لئے اتنا درد ہے تو اپنی اُمت کے لئے اس کے خلوص کی انتہا کیا ہوگی؟

یہ مضمون (۲۶/۳) اور (۳۵/۸) میں بھی مکرر آیا ہے۔

Marfat.com

باب ۵

شیطان اور نفسِ امارہ کا باہمی تعلق

ازروئے قرآن انسان جب اپنے اعمال بد سے اس مرحلے تک پہنچ جائے کہ اللہ کی رحمت اس سے منہ موڑ لے تو اس مرحلے پر انسان نفسِ امارہ کا غلام ہو جاتا ہے اور اس صورتِ حال میں نفسِ امارہ انسان کو سوائے بربادی کی راہ دکھانے کے اور کچھ نہیں کرتا۔ اس پر سونے پر سہاگہ شیطان کا کردار ہوتا ہے جو اس راہ کو مزید خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے اور انسان ان دونوں کی ملی بھگت سے مکمل تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

اس حوالے سے بحث کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول شیطان کی نوعیت و ماھیت اور اس کی بنی نوع انسانی سے دشمنی کی وجوہات دوم وہ شیطانی ہتھکنڈے جن سے وہ انسانوں کو بھٹکاتا ہے اور سوم اس حوالے سے نفسِ امارہ کا کردار۔ ان تینوں نکات پر بحث مندرجہ ذیل ہے۔

شیطان اور اس کی نوعیت و ماہیت اور نوعِ انسانی سے اس کی دشمنی کی وجوہات:

ازروئے قرآن شیطان پوری ایک نوع یعنی نوعِ جنات کا نمائندہ ہے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (۱۸/۵۰)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا ماسوا ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا۔

جنات ایک آتشی مخلوق ہے

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ (۵۵/۱۵)

اور جنات کو ایک آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

اس نوع کی تخلیق انسانوں سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (۱۵/۲۷)

اور جنات کو اس سے قبل (انسانوں سے پہلے) بے دھویں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔

بہ حیثیت نوع ان میں تولید و تناسل کا سلسلہ جاری ہے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ (۱۸/۵۰)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا ماسوا ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا کیا تم اس کی اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور ظالموں کے لئے برا بدل ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ نوع جنات میں بھی انسانوں کی طرح تولید و تناسل کا سلسلہ جاری ہے اور یہ بہت کثیر تعداد میں ہیں۔

Marfat.com

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ
عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ
وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۔ (۱۷/۶۴)

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال و اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے وہ سب دھوکا ہیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ اللہ کی جانب سے شیطان کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے تمام ہتھکنڈے، اپنے تمام لاؤ لشکر نوع انسانی کو بہکانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نوع خاصی کثیر تعداد میں موجود ہے۔ اس نوع کی نوعی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ انسان کو دیکھ سکتے ہیں لیکن انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷/۲۷)

وہ اور اس کا قبیلہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

جب انسان مختلف ارتقائی مراحل سے گذر کر زمین پر ایک باشعور نوع کی حیثیت سے سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ نے جملہ کائناتی قوتوں (ملائکہ) کو انسان کی اطاعت کا حکم دیا تو اس نوع نے انکار کر دیا (۱۸/۵۰) اس کی بنیادی وجہ خود اس نوع کے نمائندے شیطان نزدیک انسان کو جنات پر فضیلت دینے کا مشیت ایزدی کا فیصلہ تھا۔

Marfat.com

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ
اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (۱۷/۶۲)

کہنے لگا اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر فضیلت تو دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے افراد کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔

ان کے (نوع جنات) کے خیال کے مطابق یہ نئی نوع (انسان) اتنی کمزور اور ناتواں تھی کہ جنات کے لیئے اسے انگلیوں پر نچانا اور انسانوں کی اکثریت کو گمراہ کرنا ان کے لیئے بہت آسان تھا جیسا کہ متذکرہ بالا آیت (۱۷/۶۲) میں شیطان نے دعویٰ کیا۔ ان کے انکار کی دوسری وجہ اس نوع کے نزدیک آگ کی خاک پر برتری ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیْرٌ
مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ (۷/۱۲)

(اللہ نے) کہا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا اس نے کہا میں اس سے افضل ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ یہ حکم عدولی اس نوع کی کوئی نئی نافرمانی نہیں تھی بلکہ یہ نوع پہلے ہی سے حالت کفر میں تھی۔

Marfat.com

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۲/۳۴)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا ماسوا ابلیس کے اس نے تکبر کیا وہ کافروں میں سے تھا۔

یہ آیت واضح طور پر اس امر پر شاہد ہے کہ نوع جنات انسانوں کی تخلیق سے قبل ہی ہر قسم کی نافرمانی کی تمام حدود پھلانگ چکی تھی اور پہلے ہی دائرہ کفر میں تھی ورنہ کسی تابع دار اور اطاعت گذار نوع سے حکم الٰہی کی اس نوعیت کی خلاف ورزی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ امر رب سے ان کا یہ انکار ان کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں راندۂ درگاہ قرار دے دیا۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ (۱۵/۳۴)

(اللہ نے) کہا یہاں سے نکل جا تو راندۂ درگاہ ہے۔

اس پر اس نوع نے اللہ سے قیامت تک کی مہلت طلب کی جو انہیں دے دی گئی۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝
قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (۱۵/۳۶-۳۸)

(اس نے) کہا مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کیئے جائیں گے کہا تجھے مہلت دی جاتی ہے وقت مقرر کے دن تک۔

تاہم اس مہلت طلبی کا مقصد کوئی نیک ارادہ نہ تھا بلکہ یہ نوع جس طرح خود اپنے اعمال کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوئی وہ یہ چاہتی ہے کہ انسانوں کی اکثریت کو بھی اسی طرح راہِ حق سے

بھٹکا دیا جائے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (۱۵/۳۹)

(اس نے) کہا میرے رب جیسا تو نے مجھے راستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔

اس طرح روز ازل سے ان دونوں انواع یعنی انسانوں اور جنات میں ایک کشمکش جاری ہے جو تا قیامت جاری رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اس کشمکش میں انسانوں کو شیطان پر برتری حاصل ہے بالفاظِ دیگر شیطان کو انسان پر کوئی کنٹرول حاصل نہیں۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ (۱۵/۴۲)

جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں ہاں بدراہوں میں جو تیرے پیچھے چل پڑیں۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے خود شیطان نے بھی تسلیم کیا ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (۱۵/۴۰)

ماسوا ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل میں مکرر فرمایا گیا میرے بندوں پر تیرا (شیطان / ابلیس) کا کوئی زور نہیں۔

Marfat.com

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (۱۷/۶۵)

جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔

سورۃ ص میں اس حقیقت کے بیان کا پیرایہ اظہار یہ ہے۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

(۳۸/۸۳ -۸۵)

سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں کہا سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ از روئے قرآن شیطان کو انسان پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے ماسوا ان انسانوں کے جو خود ہی شیطان کے آلہ کار بننا چاہیں۔ تاہم ظاہر ہے ان سب کا انجام صرف اور صرف جہنم ہے۔

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۱۵/۴۳)

ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیطان اپنا یہ ہدف یعنی بنی نوع انسانی کو ورغلانا کس طرح حاصل کرتا ہے؟ اس حوالے سے قرآن مجید میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ وہ یہ فعل کس طرح انجام دیتا ہے شیطان کی نوعی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ انسانی دماغ میں وسوسہ اندازی کر سکتا ہے اور یہ وسوسے ہمیشہ منفی ہوتے ہیں کبھی مثبت نہیں ہو سکتے کیونکہ اسکا

Marfat.com

مقصد ہی بنی نوع انسان کی تباہی ہے وہ انسانی افعال بد کو خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے جس سے انسان ان افعال کی جانب مزید راغب ہوتا ہے اور اپنی بربادی کے سامان خود تیار کرتا ہے۔

شیطانی ہتھکنڈے

قرآن مجید میں خاصی تفصیل کے ساتھ ان شیطانی ہتھکنڈوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی مدد سے شیطان انسان کو راہِ حق سے بھٹکا دیتا ہے۔ یہ شیطانی طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ اعمالِ بد کو خوبصورت کر کے دکھانا

شیطان انسان کو راہِ حق سے بھٹکانے کے لیے اعمال بد کو خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام اعمالِ بد اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتے ہیں اور انسان اگر اپنے اوپر کنٹرول نہ رکھے تو اس کے بہک جانے کے تمام سامان شیطان فراہم کر دیتا ہے۔ وہ انسان کو بدی اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۲۴/۲۱)

اے اہل ایمان! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ جان لے کہ شیطان بدی اور فحش باتوں کا حکم دیتا ہے اور اگر اللہ کا تم پر فضل اور رحم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا لیکن جو چاہے وہ اللہ کے قانون کے مطابق پاکباز ہو جائے وہ بہت سمیع اور علیم ہے۔

Marfat.com

اس آیت کی رو سے شیطان فحش باتوں کا حکم دیتا ہے۔ فحش سے مراد حد سے بڑھنا یا زیادتی کر بیٹھنا کے ہوتے ہیں۔ گفتگو یا معاملات میں حدود سے تجاوز کرنے کو بھی فحش کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ عدل کے مقابلے میں آیا ہے (۱۶/۹۰) اور قسط کے مقابلے میں بھی (۲۹-۲۸/۷)۔ قسط کے معنی اللہ کی اطاعت کے ہیں اس بنیاد پر فحش کے معنی تجاوز یا سرکشی کے ہوتے ہیں، یعنی اللہ کے احکامات کی حکم عدولی یا کوئی اور ذلیل یا شرمناک حرکت (۲/۱۳۴)۔ فحشا کے معنی بُخل کے ہوتے ہیں بخیل کو فاحش کہتے ہیں ان معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں فضل کے مقابلے میں آیا ہے (۲/۲۶۸)۔ فضل کے معنی رزق کی کشائش یا وسعت کے ہوتے ہیں اِس حوالے سے فحش کے معنی رزق کی تنگی کے ہوں گے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں زنا کو **فاحشة** میں شمار کیا گیا ہے (۱۷/۳۲)۔ تاہم لفظ فواحش کو ہر قسم کی حدود شکنی اور بے حیائی کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے سورۃ الانعام میں ہے ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا و ما بطن (۶/۱۵۲) ''تم فواحش کے قریب مت جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ'' لہٰذا فواحش میں ہر قسم کی حدود شکنی اور بے حیائی آجاتی ہے۔

مذکرہ بالا آیت (۲۴/۲۱) میں فحشاء کے ساتھ منکر کا تذکرہ کیا گیا ہے منکر کا مادہ ن ک ر ہے جس کے معنی ہیں بہت زیادہ چالاکی، فریب کاری۔

گویا شیطان، انسان کو فواحشات اور منکرات کی طرف راغب کرتا ہے لیکن اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو انسانوں میں سے کوئی بھی نشو ونما یا بالیدگی حاصل نہیں کر سکتا تھا یعنی انسانی نفس کی نشو ونما ممکن ہی نہیں تھی۔ ہر قسم کا فعل بد، خواہ اس کی نوعیت و ماہیت کچھ ہی کیوں نہ ہو نفس انسانی میں ضُعف پیدا کر دیتا ہے اور شیطان کا مقصد ہی نوع اِنسانی کی تباہی

Marfat.com

ہے۔اب اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو پوری نوع انسانی شیطان کے جال میں آکر اپنے نفوس کو برباد کر بیٹھتی۔یہ صرف اور صرف اللہ کا کرم اور اس کی رحمت ہے جس کی مدد سے انسان اگر خود بچنا چاہے تو ان شیطانی ہتھکنڈے سے بچ سکتا ہے۔

۲۔ فساد فی الارض

نوع اِنسانی کو اس کے اصل مقصد سے بھٹکانے کے لیے یعنی تقویٰ کی راہ سے ہٹانے کے لیے شیطان کا ایک اور حربہ فساد فی الارض یعنی زمین میں فساد پھیلانا ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ (۱۷/۵۳)

اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہا کریں جو سب سے پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان یقیناً ان کے درمیان فساد ڈالتا رہتا ہے اور بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت کی رو سے انسانوں کے درمیان فساد کی ایک بڑی وجہ شیطان ہے۔فساد صلاح کی ضد ہے صلاح کے معنی ہیں حالات کا مستقیم و متوازن رہنا لہٰذا فساد کے معنی ہیں توازن کا بگڑ جانا یا بے ترتیب ہو جانا۔قرآن مجید میں مختلف افعال بد کو فساد سے تعبیر کیا ہے مثلاً حرث ونسل کی تباہی (۲/۲۰۵) ناپ تول پورا نہ رکھنا ،دوسروں کی محنت کا پورا معاوضہ نہ دینا،معاشی ناہمواریاں پیدا کرنا،لوگوں کے حقوق دبا لینا یہ سب فساد ہے (۷/۸۵،۳۶/۱۸۳)،صالح نظام کو درہم برہم کر دینا صحیح ترتیب کو الٹ دینا بھی فساد ہے

Marfat.com

(۲۷/۳۴)، ارتکابِ جرم بھی فساد ہے (۱۲/۷۳)، یتیموں کے معاملات کی اصلاح نہ کرنا (۲/۲۲۰)، صداقتوں کا انکار اور لوگوں کو راہِ خدا سے روکنا (۱۶/۸۸)، خدا سے کیے گئے عہد کو توڑنا اور انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا (۲/۲۷، ۱۳/۲۵)، سرمایہ دارانہ ذہنیت (۲۸/۷۷)، خدا اور رسول کے خلاف بغاوت (۵/۳۳)، مخالفین کو جہاد کے ذریعے نہ روکنا (۸/۷۳)، جنگ کی آگ بھڑکانا (۵/۶۴)، غیر فطری جنسی افعال (۲۹/۳۰) وغیرہ کو فساد کہا گیا ہے۔ فساد خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو اس کا اول آخر انجام صرف تباہی ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ○ (۱۶/۸۸)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہم ان کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام افعال جنہیں قرآن مجید میں فساد قرار دیا گیا ہے نوع انسانی کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر بربادی لاتے ہیں اور یہ سب شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کو ان افعال پر اُکساتا ہے اور انسان اگر اپنے آپ پر قابو نہ رکھے تو شیطان کی یہ اُکساہٹ موجب فساد بن جاتی ہے۔

۳۔ راہ ہدایت سے ورغلانا

شیطان اپنے مذموم مقاصد کے لیے راہ ہدایت پر چلنے والے لوگوں کو ورغلاتا ہے اور انہیں راہ حق سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔

Marfat.com

إِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ○ (۴۷/۲۵)

جولوگ راہ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے شیطان نے انہیں یہ کام مزین کر کے دکھایا اور انہیں (جھوٹی) امیدیں دلائی ہیں۔

ایسے لوگ جن پر راہ مستقیم کی حقانیت ظاہر ہوگئی اور انہوں نے اسے قبول بھی کرلیا ایسے لوگوں کو راہِ حق سے ورغلانے کے لیے شیطان انہیں ان کی گذشتہ غلط راہ کو مزین کر کے دکھاتا ہے کیونکہ اسلام کی راہ با الفاظ دیگر تقویٰ کی راہ کوئی آسان کام نہیں جبکہ کوئی بھی ایسی راہ جو راہِ حق نہ ہو بہر حال فوری لذت کی حامل ہوتی ہے لہذا اس فوری لذت کی غیر از حق راہ کو چھوڑ کر راہ حق اختیار کرنا آسان کام نہیں ہوتا اقبال کے الفاظ میں:

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

ایسے لوگوں کو ورغلانا شیطان کے لیے آسان ہوتا ہے لہذا وہ انہیں راہ حق سے فرار کی راہیں خوشنما کر کے دکھاتا ہے تا کہ انہیں راہ حق سے ہٹایا جاسکے۔ نہ صرف ایسے لوگ جن پر راہ حق کی سچائی پہلی مرتبہ واضح ہوئی ہو بلکہ ایسے لوگ بھی جو پہلے سے ہی اس راہ کے مسافر ہوں شیطان انہیں بھی نہیں بخشتا اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ان لوگوں کو بھی راہِ حق سے ہٹایا جائے۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (۴۳/۶۲)

اور کہیں شیطان تم کو اس راہ (ہدایت) سے روک نہ دے وہ تمہارا اعلانیہ دشمن ہے۔

Marfat.com

ایسے لوگ جو راہ حق سے ہٹ جائیں وہ شیطان کی وسوسہ انگزیوں کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پا گئے ہیں حالانکہ وہ تاریک راہوں کے مسافر ہوتے ہیں۔

فَرِيقًا هَدٰى وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ط
اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (۷/۳۰)

ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پا گئے ہیں۔

شیطان کا ورغلانے کا یہ عمل امم سابقہ کے ساتھ بھی تھا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (۱۶/۶۳)

اللہ کی قسم ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تھے پھر انہیں شیطان نے ان کے (بد) اعمال خوبصورت کر کے دکھائے سو آج بھی وہی ان کا دوست ہے ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔

سورۃ العنکبوت میں عاد اور ثمود کی شیطان کے ہاتھوں بربادی کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ت
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

Marfat.com

السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ○ (۲۹/۳۸)

اور عاد اور ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا) چنانچہ ان کے گھر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں اور شیطان نے انہیں ان کے اعمال آراستہ کر کے دکھائے۔ اور ان کو (سیدھے) راستے سے روکا حالانکہ وہ خوب سمجھتے تھے۔

گویا شیطان کا یہ عمل ایک مسلسل عمل ہے جو کل بھی جاری تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ شیطان کی طاقت (غلط کاموں کی طرف رجھانے کا عمل) اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ ایسے لوگ بھی جو اس دھوکے کو سمجھتے ہیں اس کا علم رکھتے ہیں وہ بھی اس کے جھانسے میں آجاتے ہیں۔ متذکرہ بالا آیت (۲۹/۳۸) میں اس امر کی صریح وضاحت موجود ہے کہ عاد و ثمود جاننے والوں میں سے تھے۔ لفظ مستبصرین کا مادہ ب ص ر ہے اس کی بنیادی معنی جان لینے کے ہوتے ہیں، یہ مادہ ادراک، ذہانت و فطانت، حجت اور دلیل کے معنی رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عاد و ثمود اس حقیقت سے واقف تھے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے لیکن اس کے باوجود اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رکھ سکے اور شیطانی جال میں آکر تباہ و برباد ہو گئے اور یہی صورت حال آج بھی ہے آج بھی شیطان کا یہی عمل جاری ہے اور ایسے تمام لوگ جو اس شیطانی جال میں پھنس جاتے ہیں ان کے لیئے ایک ابدی عذاب مقدر ہوتا ہے۔

۴۔ وسوسہ اندازی

وسوسے پیدا کرنا ایک مخصوص شیطانی عمل ہے

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ○
الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ (۱۱۴/۴-۶)

Marfat.com

میں اس کی پناہ طلب کرتا ہوں ہر وسوسہ ڈالنے والے کی شرارت سے
جو (وسوسے ڈال کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے جو انسانی سینے میں وسوسے
پیدا کرتا ہے خواہ وہ جنات میں سے ہو یا عام انسانوں میں سے۔

باالفاظ دیگر وسوسہ اندازی ایک شیطانی عمل ہے شیطان انسان کے قلب میں مختلف قسم کے وسوسے پیدا کر کے انہیں راہِ ہدایت سے برگشتہ کر دیتا ہے۔

۵۔ محتاجی کا خوف اور بے حیائی کی تلقین

رزق انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے اور رزق کا حصول آمدنی کے ذریعے ہی ممکن ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آمدنی میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں تاہم کسی بھی صورت میں اللہ کے احکامات سے روگردانی کی اجازت نہیں۔ تاہم شیطان انسان میں محتاجی کا خوف پیدا کر کے اسے غلط راہ پر لے جاتا ہے۔ دوسری طرف جنس انسان کا کمزور ترین پہلو ہے اور انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اس "کھلونے" سے باآسانی سے بہلایا جا سکتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تاہم عورتوں کے مقابلے میں مرد اس فطری کمزوری کی وجہ سے شیطان کا زیادہ آسان تر نوالہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور انسانوں کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر وہ انہیں گمراہی کی راہ پر لے جاتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ (۲/۲۶۸)

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کی تلقین کرتا ہے۔

۶۔ نمود و نمائش اور اسراف کی ترغیب

ایک اور شیطانی ہتھکنڈہ جس کی طرف قرآن مجید ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے وہ نمود نمائش پر رقم اور دولت کا زیاں اور عمومی اسراف کی ترغیب ہے ایسے لوگوں کو اللہ نے شیطان

Marfat.com

کا ساتھی قرار دیا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ○ (۴/۳۸)

جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیئے خرچ کرتے ہیں نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور جس کا شیطان ساتھی ہو وہ بہت برا ساتھی ہے۔

جس طرح اس آیت میں نمود و نمائش کرنے والوں کو شیطان کا ساتھی قرار دیا گیا ہے اسی طرح مسرفین کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○ (۱۷/۲۷)

اسراف کرنے والے لوگ یقیناً شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔

۷۔ حرام صرف کی ترغیب:

اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کے لیے ان گنت انواع و اقسام کی نعمتیں پیدا کی ہیں اور ماسوا چند اشیاء کے کسی شے کو حرام قرار نہیں دیا۔ تاہم حلال جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا لازمی ہے اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ شیطان اوّل تو انسان کو ان اشیاء کو کھانے کی ترغیب دیتا ہے جو بذات خود حرام ہیں یہ فعل بذات خود شیطان کی پیروی کے مترادف ہے۔

Marfat.com

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ز وَّلَا
تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○
(۲/۱۶۸)

اے لوگو جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے جو کچھ حلال اور طیب ہے اسے کھاؤ
اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسری طرف وہ ایسی اشیاء کھانے کی ترغیب دیتا ہے جن پر ذبیحہ کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہوتا یہ کھلی نافرمانی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ط
وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ج
وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○ (۶/۱۲۱)

اور تم اس میں سے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا مت کھاؤ یہ فعل یقیناً نافرمانی ہے
اور شیطان یقیناً اپنے دوستوں کے دل میں ایسے خیال ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ
تم سے جھگڑیں اور تم ان کی اطاعت کرو گے تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

۸۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں قطعی حکم ہے کہ تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (۲۰۸/
۲) لیکن شیطان اس حکم کی خلاف ورزی پر انسانوں کو اُکساتا ہے اس کی پوری پوری کوشش
یہ ہوتی ہے کہ انسان نہ ادھر کا رہے نہ ادھر کا یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ اس صورت میں انسان
اللہ کے احکام سے اپنے من پسند احکام تو لے لیتا ہے لیکن جن کو قبول نہیں کرنا چاہتا یا جن

Marfat.com

کے قبول کرنے سے نفس پر جبر لازم آتا ہے انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے قبول نہیں کرتا یا اگر قبول کرتا ہے تو اس انداز میں کہ ان احکام کی اصل روح ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسلام کی ایک سیدھی سی تعلیم ہے کہ معاوضہ صرف محنت کا ہے قرآن مجید کا واضح حکم ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ (۵۳/۳۹)

انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کے لیے اس نے سعی کی۔

اس آیت کی بنیاد پر صرف اور صرف محنت کا معاوضہ جائز ٹھہرتا ہے لیکن ہماری مذہبی پیشوایت نے زمین کا لگان، کرایہ سب جائز قرار دے دیا ہے۔ حتیٰ کے مضاربہ جو سود کی بدترین شکل ہے اسے محض لفظی الٹ پھیر سے حلال قرار دے کر ہر سمت سے سود کا دروازہ کھول دیا ہے۔ یہ قرآن کی معنوی تحریف کی بدترین مثال ہے۔ اگر معاوضہ صرف محنت کا تسلیم کیا جائے جو قرآنی حکم ہے تو ہماری مذہبی پیشوایت کو بھی محنت کرنی ہوگی اور ان کے حلوے مانڈے ختم ہو جائیں گے جو ظاہر ہے انہیں قبول نہیں۔ لہٰذا صرف قرض کا سود حرام قرار دے کر باقی ہر قسم کے سرمایے کا معاوضہ جائز قرار دے دیا گیا ہے یہ آدھا تیتر آدھا بٹیر کی مثال ہے۔ یہ محض شیطانی طرز عمل ہے جس سے واضح طور پر مجتنب رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (۲/۲۰۸)

اے اہل ایمان! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

Marfat.com

۹۔ ڈراور خوف:

ڈراور خوف پیدا کرنا ایک اور شیطانی حربہ ہے جبکہ جس ہستی سے ڈرنا چاہیے وہ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۳/۱۷۵)

یہ (خوف ڈالنے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔

۱۰۔ راہ ہدایت سے روکنا:

راہ ہدایت سے روکنا اور اس مقصد کے لیے اعمال بد کو خوش نما بنا کر پیش کرنا بھی ایک شیطانی طریقہ ہے جس سے وہ انسانوں کے لیے راہِ ہدایت کا حصول ناممکن نہیں تو بے پناہ مشکل ضرور بنا دیتا ہے۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (۷/۱۲۴)

میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر کے دکھائے ہیں اور ان کو سچے راستے سے روک دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔

Marfat.com

۱۱۔ گمراہ عالم:

علم بلاشبہ انبیاء کا ورثہ ہے یہ دولت جس کو بھی ملے وہ خوش نصیب ہوتا ہے لیکن اس کی خوش نصیبی کے کیا کہنے جسے اللہ کی آیات (نشانیوں) کا علم حاصل ہو لیکن یہ انتہائی خوش نصیبی اس وقت انتہائی بدنصیبی میں بدل جاتی ہے جب اس علم کا حامل شخص شیطان کے قابو میں آجاتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (۷/۱۷۵)

اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیات عطا فرمائیں تو اس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔

یہ آیت اپنے اندر معانی کا ایک جہان لیے ہوئے ہے۔ ایسے عالم جو شیطانی راہ پر چل نکلیں وہ خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں یہ انفرادی سطح ہے لیکن جب علم ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے جو شیطان کے پیروکار ہوں تو وہ اس علم کو بھی انسانیت سوز کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ علم کا انتہائی غلط استعمال ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے تباہ کن ہے۔

۱۲۔ بغیر علم کے بحث کرنا:

ازروئے قرآن اللہ کے بارے میں ایسی بحث جس میں بحث کرنیوالے کو خود اللہ کے بارے میں علم نہ ہو ایک شیطانی فعل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ (۲۲/۳)

اور لوگوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے

Marfat.com

بحث کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔

۱۳۔ منافقت

قرآن، منافقت کو شیطانی فعل قرار دیتا ہے۔ منافق وہ لوگ ہوتے ہیں جو مسلمانوں میں ہوں تو بظاہر مسلمانوں کے ہوتے ہیں اور جب کفار میں جاتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ
شَيَاطِينِهِمْ ۙ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ۙ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ○
(۲/۱۴)

اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں (تو ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (مسلمانوں سے) تو ہم استہزاء کرتے ہیں۔

منافق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی نظام یا سوسائٹی میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ اس سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے۔ یہ معاشرے کے سب سے خطرناک ترین افراد ہوتے ہیں۔ یہ محض مطلبی لوگ ہوتے ہیں جہاں ان کا مفاد پورا ہوتا ہوا نظر آئے یہ وہیں کے ہو رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک جماعتی مفاد یا اجتماعی جدوجہد کوئی معنی نہیں رکھتی اور کسی بھی مشکل لمحے میں جماعت یا نظام کا ساتھ چھوڑنے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتا۔ یہ بدترین خلائق ہیں اسی وجہ سے قرآن مجید نے ان کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ بتایا ہے۔

Marfat.com

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ
وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ (۴/۱۴۵)

کچھ شک نہیں کہ منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے۔

۱۴۔ حرام ذرائع رزق کی ترغیب

وہ ذرائع رزق جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے شیطان انہی کی انسان کو ترغیب دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۵/۹۰)

اے اہل ایمان! شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں سو ان سے اجتناب کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (۵/۹۱)

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) مجتنب رہنا چاہئے۔

Marfat.com

۱۵۔ بھول اور نسیان

شیطانی ہتھکنڈوں میں سے ایک بھول اور نسیان بھی ہے شیطان ایسے اہم مواقع پر انسان کو چیزیں بھلا دیتا ہے۔ جس وقت ان کی شدید ضرورت ہوتی ہے یا اس بھول سے بھاری نقصان کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی شیطانی حربے کی وجہ سے کئی برس جیل میں اسیر رہے۔

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ز فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ○ (۱۲/۴۲)

اور دونوں اشخاص میں سے جس کی نسبت (یوسف) نے خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے ان کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور (یوسف) کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔

اسی طرح سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر کے دوران انکا ساتھی جب کھانا سفر میں رکھ کر بھول گیا تو اسے بھی شیطان ہی سے منسوب کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ○ (۱۸/۶۳)

(اس نے) کہا بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا راستہ لیا۔

Marfat.com

۱۶۔ خدا کے ذکر سے غافل کر دینا

شیطان لوگوں کو خدا کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ (۲۵/۲۹)

اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔

ذکر کا لفظ قرآن مجید میں متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے اس آیت میں اسے چونکہ خود قرآن کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور قرآن چونکہ دیگر چیزوں کے ساتھ قوانین واحکامات کا بھی حامل ہے لہٰذا یہاں ذکر سے مراد اللہ کے قوانین کا اتباع ہے جس سے شیطان بہکا دیتا ہے اور اللہ کے قوانین سے انکار یا انحراف محض تباہی ہے۔

۱۷۔ خفیہ مشورے

خفیہ مشورے کا طریقہ خالص شیطانی طریقہ ہے جس کا مقصد محض مسلمانوں کو فکر و تشویش میں مبتلا کرنا ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ (۵۸/۱۰)

خفیہ مشورہ (سرگوشیاں) کرنے کا طریقہ شیطان کی طرف سے آیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ مومنوں کو فکر میں ڈالے۔

Marfat.com

۱۸۔ اسلاف کی تقلید

شیطانی حربوں میں سے یہ ایسا حربہ ہے جس سے سب سے زیادہ نقصان غالباً مسلمانوں کو ہی پہنچا ہے تقلید پرستی یا آباپرستی جتنی مسلمانوں میں راسخ ہے دنیا کی شاید ہی کوئی اور قوم ایسی ہو جو اس معاملے میں ہمارا "مقابلہ" کر سکے اور از روئے قرآن بے سوچے سمجھے اسلاف کی تقلید ایک شیطانی طریقہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ (۳۱/۲۱)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) خدا نے نازل فرمائی اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے آباواجداد کو پایا بھلا اگر شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی وہ ایسا کریں گے؟)

۱۹۔ جھوٹی قسمیں اٹھانا

بار بار قسمیں اٹھانا ایک شیطانی طریقہ ہے بلکہ یہاں تک ہے کہ ایسے لوگوں کی بابت خود قرآن مجید نے گواہی دی ہے کہ ایسے لوگوں پر شیطان غالب آجاتا ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۵۸/۱۸-۱۹)

Marfat.com

جس دن خدا ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) خدا کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ وہ بڑے پختہ اصول پر ہیں سنو یہ لوگ جھوٹے ہیں شیطان ان پر غالب آ گیا ہے اور اس نے اللہ کا ذکر ان کو بھلا دیا ہے یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں اور شیطان کا گروہ آخر میں خسارہ میں جانے والا ہے۔

۲۰۔ برے خیالات پیدا کرنا

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ نماز میں بالخصوص برے خیالات حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو راہ حق سے بھٹکانے کا ایک اور شیطانی حربہ ہے۔ عام مسلمان تو درکنار اس حوالے سے یہ نوع اللہ کے پیغمبروں کو بھی نہیں بخشتی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (۶/۱۱۲)

اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنات کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا جو دھوکہ دینے کے لئے (ان کے دل میں) برے خیال ڈالتے ہیں جو محض ملمع کی بات ہوتی ہے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے نظر انداز کر دیں۔

یہ ان مختلف شیطانی ہتھکنڈوں میں سے چند کا بیان ہے جن کے ذریعے یہ نوع یعنی نوع جنات اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتی ہے۔ تاہم قندِ مکرر کے طور پر یہ یاد رکھیں شیطان کو انسان پر برتری حاصل نہیں ہے شیطان صرف اس وقت انسان کو راہ ہدایت سے بھٹکا سکتا

ہے جب انسان خود ایسا کرنا چاہے یاد رکھیئے شیطان روزِ ازل تسلیم کر چکا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○

(۱۵/۴۰)

سوائے تیرے مخلص بندوں کے (ان پر میرا زور نہیں)۔

متذکرہ بالا طرائق وہ ہیں جو از روئے قرآن نوع جنات (شیطان) انسان کو ورغلانے اور اسے راہ ہدایت سے ہٹانے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کو جنات پر برتری حاصل ہے لہذا انسان شیطان کے ان حملوں سے بچ سکتا ہے لیکن صرف اس صورت میں جبکہ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں چلے۔ تاہم اگر انسان ایسا نہیں کرتا اور راہ ہدایت اختیار نہیں کرتا تو شیطان کو اس پر غالب آنے موقع مل جاتا ہے۔ ایسی صورت میں نفسِ امارہ جو پہلے ہی لذت کا طالب ہوتا ہے وہ بھی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور دونوں مل کر انسان کو مکمل تباہی کی راہ پر لے جاتے ہیں۔ تاہم اس حوالے سے بنیادی کردار نفسِ امارہ کا ہوتا ہے جو شیطان کے لئے زمین زرخیز کرتا ہے اور باقی کام شیطان انجام دیتا ہے۔ اس کا سادہ سا ثبوت درج ذیل آیت قرآنی سے ملتا ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ
مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (۱۴/۲۲)

اور جب تمام معاملہ فیصل ہو جائے گا تو شیطان لوگوں سے کہے گا کہ اللہ نے یقیناً تم سے اٹل وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے ایک وعدہ کیا تھا مگر میں نے وہ وعدہ تم سے پورا نہیں کیا اور میرا تم پر کوئی تسلط نہیں تھا ہاں میں نے تمہیں اپنی طرف بلایا اور تم نے میرا کہا مان لیا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفوس (امارہ) کو ملامت کرو اس وقت نہ میں تمہاری فریاد سن سکتا ہوں نہ ہی تم میری فریاد سن سکتے ہو تم نے جو مجھے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا میں تمہاری اس بات کا پہلے انکار کر چکا ہوں بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں ایک طرف واضح طور پر شیطان کی جانب سے اس حقیقت کو قبول کیا گیا ہے کہ اسے کسی انسان پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں تھا نہ ہے اور نہ تا قیامت کبھی ہوگا۔ شیطان صرف ترغیب و تحریص پر قادر ہے، وہ وسوسہ اندوزی کرتا ہے، برے اعمال کو خوبصورت بنا کر انسان کو برے افعال کی جانب کرتا ہے اور اس مقصد کے لیئے انسان کے نفس اِمارہ کو اپیل کرتا ہے۔ متذکرہ بالا آیت (۱۴/۲۲) میں شیطان کا انسانوں کو یہ کہنا کہ ''اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفوس (امارہ) کو ملامت کرو'' اس امر کا واضح اظہار ہے کہ انسان جو بھی افعال بد انجام دیتا ہے وہ اپنے نفس کے کہنے پر کرتا ہے اور نفس (امارہ) کو ترغیب شیطان کی جانب سے ملتی ہے۔ انسان اپنے نفس پر مکمل قدرت رکھتا ہے اگر وہ چاہے تو نفسِ امارہ کی تحریص و ترغیب نظر انداز کر سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے انسانوں کی اکثریت ایسا نہیں کر پاتی۔ دنیا کی عارضی چمک دمک انسانی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور وہ

Marfat.com

دنیا کے ہی ہو کر رہ جاتے ہیں۔اس حقیقت کا بیان سورۃ الانعام کی مندرجہ ذیل آیات میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ (۶/۱۳۰)

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم خود اپنے نفوس کے خلاف گواہی دیتے ہیں دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا اور انہوں نے اپنے نفوس کے خلاف یہ گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔

متذکرہ بالا آیات پھر اس امر پر گواہ ہیں کہ انسانوں کو ورغلانے میں انہیں سیدھی راہ سے بھٹکانے میں انسانوں کے اپنے نفوس ہی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں جبھی روز قیامت جن و انس دونوں اس امر کی گواہی دیں گے کہ ان کے نفوس نے انہیں بھٹکایا اور وہ اپنے نفوس کے خلاف خود شہادت دیں گے کہ ان کی تباہی خود ان کے اپنے نفوس کی وجہ سے ہے۔ان کے نفوس نے انہیں ورغلایا اور وہ باوجود اپنے نفوس پر قدرت رکھنے کے اس کی ترغیب وتحریص میں آکر روزِ آخرت خسارہ پانے والوں میں ہو گئے۔

Marfat.com

نفس امارہ کے وہ طریقے جن کی مدد سے وہ انسانوں کو راہ ہدایت سے بھٹکاتا ہے

انسانی نفس جن جن طریقوں کی مدد سے انسانوں کو راہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے از روئے قرآن وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بری باتوں کا حکم دینا

نفس (امارہ) انسان کو بری باتوں کی ترغیب دینے میں بہت مشتاق ہے

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ
اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۭ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۱۲/۵۳)

اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس (امارہ) برائی پر ابھارنے والا ہی ہے الّا یہ کہ میرا رب ہی رحم کرے مرا رب یقیناً غفور اور رحیم ہے۔

اس آیت پر گذشتہ صفحات میں بحث کی جا چکی ہے

۲۔ اعمال بد کو خوبصورت کر کے دکھانا

نفس اِمارہ کا انسانوں کو راہ ہدایت سے بھٹکانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ اعمال بد کو انسانوں کو مزین کر کے دکھاتا ہے جس سے انسان ان افعال کی جانب مزید راغب ہوتے ہیں اور بتدریج تباہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ اس حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں سامری کے اعتراف جرم پر مبنی قول توجہ طلب ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○

Marfat.com

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ
فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ
فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ
نَفْسِيْ ○ (۲۰/۹۵-۹۶)

موسیٰ (علیہ اسلام) نے پوچھا سامری تیرا کیا معاملہ ہے اس نے کہا میں نے ایک ایسی شے دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے ایک مٹھی بھری اور اسے اس میں ڈال دیا میرے نفس نے اس کام کو میرے لئے خوشنما بنا دیا۔

با الفاظ دیگر نفسِ امارہ برے کاموں کو انسانوں کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ امر بھی نوٹ کیئے جانے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں جن شیطانی ہتھکنڈوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں بھی یہ عمل شامل ہے کہ شیطان برے کاموں کو انسانوں کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے اور برے اور ناپسندیدہ افعال کی جانب راغب کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۲۴/۲۱)

اے اہل ایمان! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ جان لے کہ شیطان بدی اور فحش باتوں کا حکم دیتا ہے اور اگر اللہ کا تم پر فضل اور رحم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا لیکن جو چاہے وہ اللہ کے

Marfat.com

قانون کے مطابق پاکباز ہو جائے وہ سمیع اور علیم ہے۔

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود نفس (امارہ) اور شیطان مل کر انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہ حملہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اگر انسانوں پر اللہ کا خاص رحم و کرم اور فضل نہ ہوتا تو اس آیت کی رو سے تمام انسان گمراہ ہو جاتے۔ صرف اس حقیقت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نفس امارہ اور شیطان کا یہ مشترکہ حملہ کس قدر طاقتور ہوتا ہے کہ اللہ کے خاص فضل و کرم سے ہی اس سے نجات ممکن ہے تاہم یہ فضل و کرم بھی صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اس حوالے سے اللہ کی مدد چاہیں وہ بے شک سمیع اور علیم ہے اور بے شک بار بار توبہ قبول کرنے والا بھی ہے۔ تاہم اگر کوئی خود ہی ایسا نہ چاہے یعنی اللہ سے رجوع نہ کرے تو وہ یقیناً تمام عالمین سے بے نیاز بھی ہے۔

اس حوالے سے جو لوگ اللہ سے رجوع نہیں کرتے وہ اس حملے میں خس و خاشاک ہو جاتے ہیں اور نفس (امارہ) اور شیطان کی غلامی میں چلے جاتے ہیں یہ دونوں ان کے اعمال بد کو خوبصورت بنا کر پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور انسان برائیوں کی دلدل میں مسلسل پھنستا چلا جاتا ہے۔ اس امر پر پوری انسانی تاریخ شاہد ہے اور غالباً آج کے دور میں تو یہ رقص ابلیس اپنے پورے عروج پر ہے۔ جب خوف خدا اور آخرت پر یقین ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ فطرت خلا سے نفرت کرتی ہے جب ذہن انسانی میں خوف خدا اور آخرت میں جواب دہی کے تصور کا اخراج ہوگا تو یہ جگہ انسانی خواہشات، حُب دنیا اور دیگر پست خواہشات لے لیتی ہیں اور حیوانیت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ اپنے رقص برہنہ میں مصروف ہو جاتی ہے جو آج کی پوری دنیا کا المیہ ہے۔

شیطان اپنے مذموم مقاصد کے لئے راہ ہدایت پر چلنے والے لوگوں پر بھی یہی حربہ استعمال

Marfat.com

کرتا ہے اور انہیں اس راہ سے اسی طریقے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ
لَهُمُ الْهُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَهُمْ ۝ (۴۷/۲۵)

جولوگ راہ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے شیطان نے انہیں یہ کام مزین کر کے دکھایا اور انہیں (جھوٹی) امیدیں دلائی ہیں۔

ایسے لوگ جو راہ حق کو جان گئے اور اسے قبول بھی کر لیا ایسے لوگوں کو ان کی پرانی راہ پر لانے کے لئے شیطان انہیں ان کی گذشتہ غلط راہوں کو خوشنما بنا کر دکھاتا ہے کیونکہ اسلام کی راہ تقویٰ کی راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے جبکہ کوئی بھی ایسی راہ جو فوری لذت کی حامل ہو انسان اس کی طرف فوری لپکتا ہے۔ لہٰذا شیطان انسان کو طویل المعیاد نتائج کی راہ (راہ ہدایت) سے فوری مفاد کی راہ کی جانب لانا چاہتا ہے اور اسے مزین کر کے دکھاتا ہے تاکہ مسلمان راہ ہدایت سے بھٹک جائیں۔ اس طرح شیطان اور نفس (امارہ) مل کر دونوں انسانوں کی مکمل تباہی کا سامان مہیا کر دیتے ہیں۔

۳۔ نفس خود غرضی کی جانب راغب کرتا ہے

نفس امارہ کا ایک اور منفی ہتھکنڈہ انسان کو بُخل کی جانب راغب کرنا بھی ہے۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ (۴/۱۲۸)

اور نفس خود غرضی کی جانب مائل ہوتے ہیں۔

آیت (۴/۱۲۸) کے ان چند الفاظ میں انسانی زندگی کی ایک بنیادی حقیقت بیان کر دی

Marfat.com

ہے۔ان الفاظ میں لفظ شح کا مادہ ش ح ح ہے جس کی معنی بدترین قسم کی خودغرضی کے ہوتے ہیں اس میں بُخل (کنجوسی) اور حرص دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بُخل صرف مال میں ہوتا ہے لیکن شح سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ہر قسم کی بھلائیوں کو صرف اپنے لیئے مخصوص کر لینا اور دوسروں تک ان کو پہنچنے نہ دینا اور یہ عمل فطرت میں شامل ہو۔اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفسِ امارہ انسان کو اس جانب مائل کرتا ہے کہ وہ تمام دنیا کی نعمتیں اپنے لیئے مخصوص کر لے اور کسی کو اس سے کوئی منفعت نہ پہنچے۔ یہ ایک عام انسانی طرزِ عمل ہے جس کا عام مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔لوگ تمام نعمتوں کو صرف اور صرف اپنے لیئے مخصوص کر لینا چاہتے ہیں چاہے دوسروں کو اس سے کتنی ہی اذیت کیوں نہ ہو۔اس ترغیب میں شیطان بھی نفس امارہ کے قدم بہ قدم ساتھ ساتھ ہوتا ہے کیونکہ از روئے قرآن مختلف قسم کے شیطانی ہتھکنڈوں میں ایک ہتھکنڈہ دعوت بُخل بھی ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (۲/۲۶۸)

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی کی تلقین کرتا ہے۔

گویا اس حوالے سے بھی نفس امارہ اور شیطان دونوں کا طرزِ عمل بالکل یکساں ہوتا ہے۔

۴۔ وسوسے پیدا کرنا:

نفس امارہ کا ایک اور منفی فعل مختلف قسم کے وسوسے پیدا کرنا بھی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ (۵۰/۱۶)

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو اس کا نفس وسوسے پیدا کرتا ہے ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

نفس امارہ کے اس فعل میں بھی شیطان اس کا قریبی ساتھی ثابت ہوتا ہے اور وہ اس عمل کو مزید شہ دیتا ہے کیونکہ یہ اس کا ایک مخصوص فعل ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝
الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ (۱۱۴/۴-۶)

(میں اس کی پناہ طلب کرتا ہوں) ہر وسوسہ ڈالنے والے کی شرارت سے جو (وسوسے ڈال کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے (خواہ وہ) جنات سے ہو یا انسانوں میں سے۔

ان وسوسوں کی نوعیت کچھ بھی ہو سکتی ہے اور یہ وسوسے اس وقت خطرناک ثابت ہوتے ہیں جب یہ راہ ہدایت سے برگشتہ کرنے والے ہوں۔ یہ وسوسے محتاجی کے خوف اور بے حیائی کی تلقین کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔

۵۔ نفس (امارہ) عدل سے ہٹا دیتا ہے:

نفسِ (امارہ) کی ایک منفی خصوصیت از روئے قرآن یہ بھی ہے کہ یہ راہ عدل سے برگشتہ کر دیتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ

Marfat.com

يَكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (۴/۱۳۵)

اے اہل ایمان عدل پر قائم رہو اور اللہ کے لیئے سچی گواہی دو خواہ (اسمیں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتے داروں کا نقصان ہی ہو اگر کوئی امیر ہے یا فقیر اللہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم پیچدار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو جان رکھو کہ اللہ تمہارے تمام کاموں سے واقف ہے۔

عدل کے بنیادی معنی ہیں برابر ہونا اور برابری کے لیئے توازن لازمی ہے کسی کو پورا پورا معاوضہ دے دینا بھی عدل ہے۔ انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیئے عدل کی راہ چھوڑ دیتا ہے اور افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اسی طرز عمل سے مجتنب رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ گواہی ہر صورت میں سچی دینی چاہیئے چاہے اس سے ذاتی یا اہل و عیال کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

۶۔ نفس (امارہ) اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی پر اکساتا ہے۔

از روئے قرآن نفس (امارہ) اللہ اور اس کے رسولوں کے احکامات کو پسند نہیں کرتا اور انسان کو ان کی خلاف ورزی پر مائل کرتا ہے یا الفاظ دیگر اللہ کی متعینہ حدود کو توڑنے پر انسان کو اکساتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ ۪ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۪ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ (۲/۸۷)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) سے ان کو مدد دی تو جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا نفس پسند نہیں کرتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے اور ایک گروہ انبیاء کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

اس آیت (۲/۸۷) میں بدیہی طور پر خطاب بنی اسرائیل سے ہے اور ان کے منفی طرز عمل کی صراحت کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ جب کوئی رسول ان کے پاس ایسے احکامات لے کر آتے جسے ان کے نفوس پسند نہیں کرتے تو وہ انبیاء کو جھٹلاتے اور قتل کرتے رہے تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ جزئیات سے قطع نظر تمام انبیاء کی تعلیمات کا مرکز و محور بہر حال ایک ہی رہا ہے یعنی اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کے احکامات کی تعمیل۔ دوسری طرف یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھی جانی لازمی ہے کہ اللہ کے احکامات کی اطاعت سے انکار صرف بنی اسرائیل تک محدود نہیں یہ رجحان تمام بنی نوع انسانی کے نفوس میں یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات بہ حیثیت مجموعی انسانوں کے آج کی قربانی مانگتے ہیں جس کے عوض بہترین کل کی ضمانت دیتے ہیں لیکن مفاد عاجلہ کے خوگر انسان کے لیئے یہ سودا مہنگا ثابت ہوتا ہے وہ ہر قیمت پر اپنا آج بہتر کرنا چاہتا ہے۔ یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی وجہ

سے نفس امارہ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی پر راضی ہو جاتا ہے تا کہ صرف اور صرف آج کو حاصل کیا جا سکے۔ دورِ حاضر میں لوگوں کی سوچ کا محور انہی شیطانی خیالوں کو بنا دیا گیا ہے کہ صرف اور صرف آج کی فکر کرو کل کس نے دیکھی ہے جو صرف اور صرف ایک شیطانی فکر ہے جبکہ اسلام کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ وہ طویل المیعاد مفاد کی خاطر فوری مفاد کی قربانی چاہتا ہے۔ جبکہ یہ صورتحال نفس امارہ کو قبول نہیں جو فوری مفاد کا طالب ہوتا ہے لہذا اپنی اس ہوس کی تکمیل کے لیئے وہ احکامات الٰہی سے فرار حاصل کرتا ہے۔

۷۔ نفس (امارہ) دنیا کا طالب ہوتا ہے:

نفس امارہ جیسا کہ عرض کیا گیا فوری مفاد کا خوگر ہوتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ دنیا کی محبت یا اس کی طلب میں شدت کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے پر اکساتا ہے اور نہ صرف جمع کرنے پر اکساتا ہے بلکہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ
لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ (۹/۳۵)

جس دن وہ (مال) جہنم کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے نفوس کے لیئے جمع کیا تھا سو جو تم کرتے تھے (اب) اسکا مزہ چکھو۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ انسانی نفس انسان کو دنیاوی مال و دولت کی ہوس پر اُکساتا ہے اور انسان اس کی اُکساہٹ میں آکر دنیاوی مفادات کا اسیر ہوتا چلا جاتا ہے اور اس حد تک آگے چلا جاتا ہے کہ پھر دین نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور صرف دنیا کی طلب ہی باقی رہ جاتی ہے جس کا انجام اس آیت میں بہت واضح طور پر بتا دیا گیا ہے۔

متذکرہ بلا طریقے وہ ہیں جو از روئے قرآن انسان کا نفس (امارہ) اس کی تباہی کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اب یہ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ کونسی راہ اختیار کرتا ہے وہ جیسی راہ منتخب کرے گا ویسی ہی تقدیر اس پر منطبق ہو جائے گی۔

Marfat.com

باب ۷

نفس کا احیاء اور نفس کے لیئے منفعت بخش افعال

نفس کا احیا

گذشتہ صفحات میں ان تین افعال بد کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جن کے نتیجے میں انسانی نفس کی موت واقع ہو جاتی ہے تاہم خود از روئے قرآن یہ موت ابدی نہیں ہوتی اور نفس میں حیات نو کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ تاہم یہ یاد رہے کہ یہ حیات نو صرف رزق حلال کے حصول سے ممکن ہے۔ سورۃ الجاثیہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ
تَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (۴۵/۵)

اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اس آیت میں منجملہ تین (۳) امور کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں (آیات) قرار دیا ہے۔ اول رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں، دوم اس پانی کو جسے "زمین کا رزق" قرار دیا گیا ہے اور جس سے مردہ زمین کو زندگی مل جاتی ہے اور سوم ہواؤں کے بدلنے میں۔ ان تینوں آیات میں سے فی الوقت موضوع بحث کے اعتبار سے دوسری نشانی کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔

یہ ہمارا ایک عام مشاہدہ ہے کہ ایک ایسی زمین جو مردہ ہو، اور اس سے کوئی زرعی پیداوار حاصل نہ ہوتی ہو لیکن اگر اسی مردہ یا بنجر زمین کو مناسب مقدار میں پانی فراہم کر دیا جائے تو وہی مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور پیداوار دینے لگتی ہے۔ اس ایک سادہ اور عام فہم مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے زندگی کی اہم ترین حقیقت انسانوں تک پہنچا دی ہے۔

اس آیت پر اگر تدبر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو زمین کا رزق قرار دیا ہے جس سے وہ مردہ حالت سے زندہ حالت میں تبدیل ہو جاتی ہے باالفاظ دیگر رزق پر نفس کی موت و حیات کا انحصار ہوتا ہے۔ جب رزق سے زمین مردہ حالت سے زندہ حالت میں تبدیل ہو سکتی ہے تو یہ کلیہ یقیناً انسانوں پر بھی لاگو ہوتا ہے کیونکہ رزق کا تعلق زمین کے مقابلے میں انسانوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے باالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رزق پر زمین کی موت و حیات کی طرح انسانی نفس کی موت وحیات کا بھی انحصار ہوتا ہے۔ باطل ذرائع سے حاصل کیا جانیوالا رزق نفس انسانی کے موت پر منتج ہوتا ہے (۴/۲۹)۔ لیکن اس موت کے بعد بھی مردہ زمین کی طرح اس میں حیاتِ نو کے امکانات موجود ہوتے ہیں اور یہ حیات نو رزق کی ہی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ تاہم یہ رزقِ صرف رزقِ حلال ہونا چاہیئے اور رزقِ حلال سے مراد وہی رزق ہے جسکا مطالبہ قرآن کرتا ہے یعنی صرف اور صرف ذاتی محنت سے حاصل شدہ رزق۔

قرآن مجید کی اس آیت (۴۵/۵) کی اس مثال پر اگر غور کیا جائے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک سادہ اور عام سی حقیقت کا بیان ہے کہ مردہ زمین کو پانی دیا جائے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے اور پیداوار دینے لگتی ہے۔ لیکن اس آیت میں قرآن مجید نے پانی کو ''زمین کا رزق'' قرار

دے کر علوم کی ایک نئی دنیا آباد کردی ہے۔ مقام تدبر یہ ہے کہ اس آیت میں اگر لفظ ''رزق'' کا استعمال نہ بھی کیا جاتا تو بھی مفہوم قطعی واضح تھا لیکن اس لفظ ''رزق'' کا اس آیت میں استعمال زندگی کی ایک بنیادی حقیقت کی نقاب کشائی کے لیئے کیا گیا ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ رزق اور نفس کی حیات کا آپس میں نہایت گہرا اور براہ راست تعلق ہے۔ انسان، جسم کا رزق حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے نفس پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ مسلسل حرام رزق ایک مرحلے پر نفس انسانی کو ہلاک کر دیتا ہے جبکہ حلال رزق نفس انسانی کی بقا، ترقی اور نشو ونما کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ (۲۰/۱۳۱)

اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور باقی رہنے والا ہے۔

اس آیت میں ارشاد ربانی ہے کہ تیرے رب کا رزق یعنی برخیر اور باقی رہنے والا ہے۔ اب اگر رزق کی نوعیت پر غور کیا جائے تو ظاہر ہے اس کی بقا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ عام کھانے پینے کی اشیاء کی بقا چہ معنی دارد؟ ظاہر ہے اس۔ سے مراد عام اشیاء رزق نہیں ہیں بلکہ انسانی نفس کی بقا ہے جو رزق کی مرھون منت ہوتی ہے بشرطیکہ اسے جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس صورت میں رزق نفس انسانی کے لیئے خیر اور بقا کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جسے قرآن مجید نے مردہ زمین اور پانی کے رزق کی مثال سے واضح کیا ہے۔

Marfat.com

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا
اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (۲۹/۴۳)

اللہ مثالوں کے ذریعے بات واضح کرتا ہے جسے صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

متذکرہ بالا آیت (۴۵/۵) پر اگر مزید تدبر کیا جائے تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ وقت کہ کسی بھی لمحے جس وقت انسان چاہے اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ اگر ماضی میں وہ حرام اور باطل ذرائع سے رزق یا دیگر اعمال بد سے اپنے نفس کو ہلاک کر چکا ہے تو حلال ذرائع سے رزق کی تقدیر منتخب کرنے سے وہ صورت حال مکمل تبدیل کر سکتا ہے۔ جس طرح مردہ زمین کے دوبارہ زندہ ہونے کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ایسا کسی بھی وقت ہو سکتا ہے بعینہٖ صورت حال نفس انسانی کے لیے بھی ہے۔ اس حوالے سے سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت (۴/۲۹) پر مزید تدبر کیا جائے جسمیں باطل ذرائع رزق کے نتیجے میں نفس کی ہلاکت کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اسی آیت کے بالکل آخری الفاظ میں اللہ نے اپنی رحمت کا تذکرہ بھی کیا ہے اب اگر ان دونوں آیات یعنی (۴/۲۹) اور (۴۵/۵) پر بیک وقت تدبر کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ باطل ذرائع رزق سے نفس کی موت کے بعد بھی اس کے احیاء کا امکان رہتا ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ انسان کسی بھی لمحے حلال ذرائع رزق کی تقدیر اختیار کر کے اپنے نفس کو حیات نو بخش سکتا ہے۔

استغفار سے بحالیء نفس:

از روئے قرآن ایسے لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہو انہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے ایسے لوگ جو اپنے نفوس پر ظلم کر بیٹھے ہوں انہیں صرف

Marfat.com

اللہ ہی سے رجوع کرنا چاہیئے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (۷/۲۳)

انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفوس پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ آیت کریمہ واضح طور پر اس امر کی شاہد ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے نفوس پر ظلم کر بیٹھے ہوں اگر وہ اس پر نادم ہوں تو اللہ ہی کی ذات وہ واحد ذات ہے جس سے رجوع کیا جا سکتا ہے اور وہی اپنے رحم سے نفس کے اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور اگر انسان ایسا نہیں کرتا تو وہ خاسرین میں سے ہو جائے گا۔ لہذا اس حوالے سے اللہ کی ذات سے رجوع کرنا لازمی ہے اور اللہ یقیناً توبہ قبول کرنے والا، معاف کرنے والا اور اپنی مخلوقات پر بے انتہا مہربان ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ (۴/۶۴)

ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر یہ لوگ جنہوں نے اپنے نفوس پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آجاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے ظلم کیا اور نفوس کو خسارے میں ڈالا اگر استغفار کرتے تو اللہ کو یقیناً تواب اور رحیم پاتے۔ اللہ ان کے نفس کے عدم توازن کو ختم کر کے ان کے نفس کے خسارے کا خاتمہ کر دیتا تا کہ یہ نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر سکتے۔ استغفار کا مادہ غ ف ر ہے اس کے بنیادی معنی چھپانے اور محفوظ رکھنے کے ہیں اسی سے مغفرت کے معنی حفاظت کے آتے ہیں، استغفار کے معنی مغفرت طلب کرنا ہیں یعنی اپنے قول و عمل سے کسی باعثِ فساد امر کی اصلاح کی خواہش، اس کے مضر اثرات سے حفاظت چاہنا۔ اس حوالے سے قرآن مجید سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعے کی مثال دی جا سکتی ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو بچانے کے لیئے اپنی دشمن قوم کے ایک شخص کو مکہ مارا جس سے وہ مر گیا تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ فعل اغوائے شیطان سے ہوا۔

فَقَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۲۸/۱۵)

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) کہا یہ فعل تو اغوائے شیطان سے ہوا بے شک وہ انسان کا دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔

تاہم انہوں نے اپنے اس فعل پر اللہ سے استغفار کیا اور اللہ نے ان کو بخش دیا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (۲۸/۱۶)

کہا کہ میرے رب میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تو اللہ نے ان کو بخش دیا بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

Marfat.com

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہر انسانی عمل کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور پیدا کرتا ہے۔ اچھے اعمال کے نتائج خوشگوار اور برے افعال مضر اثرات پیدا کرتے ہیں۔ اگر ایک فرد غلط روش اختیار کرے تو اس کے منفی اثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں اب یہ ان افعال بد کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے کہ ان کے اثرات کتنے دور رس اور کتنے تباہ کن ہوتے ہیں تاہم اس سے قبل کہ ان منفی اثرات کے نتیجے میں ہلاکت یقینی ہو جائے، اللہ کا قانون مشیت فرد کو ایک موقع ضرور فراہم کرتا ہے کہ وہ راہ راست پر واپس آ جائے اگر وہ اپنے افعال بد کے ہلاکت آفرین نتائج کے وقوع سے قبل اللہ سے رجوع کر لے اور اعمال صالح کی تقدیر اختیار کر لے تو اسے استغفار کہا جاتا ہے یعنی ایک طرف اپنے گذشتہ اعمالِ بد کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیئے اللہ کی پناہ طلب کرنا اور اچھے اعمال کے خوشگوار نتائج کی توقع بلکہ ان کا مشیت ایزدی کے قانون کے مطابق بتدریج سامنے آتے چلے جانا۔

لہذا ایسے لوگ جو اپنے نفوس پر ظلم کر بیٹھے ہوں ان کے لیئے تمام راہیں بند نہیں ہو جاتیں اللہ غفور اور رحیم ہے جس لمحے انسان میں یہ احساس جاگ جائے کہ اس کا طرز عمل غلط رہا ہے اور وہ اب رجوع کرنا چاہتا ہے اسی لمحے اسے اللہ سے رجوع کرنا چاہیئے وہ یقیناً بار بار توبہ قبول کرنے والا مہربان اور رحیم ہے۔

تاہم ایسے لوگ جو رجوع نہیں کرتے اور حسب سابق اپنی غلط روش پر مصر رہتے ہیں وہ قرآن کی اصطلاح میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے ہیں جیسا کہ متذکرہ بالا آیت (۷/۲۳) سے واضح ہے کہ اگر اللہ ایسے لوگوں پر رحم نہ کرے تو وہ خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ اللہ یقیناً اسی وقت رحم کرے گا جب انسان خود اس سے رجوع کرے لیکن

Marfat.com

اگر انسان خود ہی رجوع نہ کرے تو اسکا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔
خسارہ کا مادہ خ س ر ہے جس کی معنی اس شخص کے ہیں جو راستہ سے گم ہو گیا ہو یا ہلاک ہو گیا ہو، اس کے علاوہ نقص یا کمی یا بگاڑ اور نقصان جسمیں مال و دولت، عقل اور ایمان، صحت وعزت کا نقصان شامل ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ان کا انجام بہر حال ہر قسم کا خسارہ ہوتا ہے یہ اصول قرآنی ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔

وہ افعال جو نفس کے لیئے منفعت بخش ہیں:

قرآن مجید فرقان حمید میں با قاعدہ واضح طور پر ان افعال کو بیان کیا ہے جو نفس کے لیئے تقویت کا باعث ہیں ان میں انفاق، ہدایت قبول کرنا، شکران نعمت اور استغفار شامل ہیں۔ ان افعال کی انفرادی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ انفاق نفس کے لیئے بہتر ہے:

انفاق کا مادہ ن ف ق ہے۔ انفاق کے معنی ہیں اپنے مال و دولت کو اللہ کی راہ میں کھلا رکھنا قرآن مجید نے امساک (روک رکھنے) کا لفظ اس کے مقابل لا کر اس معنی مزید واضح کر دیئے ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ (۱۷/۱۰۰)

کہہ دو کہ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) روکے رکھتے اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔

انفاق کا حکم قرآن مجید کے اساسی احکامات میں سے ایک ہے اور جو بھی مال زائد از ضرورت

Marfat.com

ہوا سے اللہ کی راہ میں کھلا رکھنے کا حکم ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)

یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کتنا دے دیں کہہ دیجئے جو ضرورت سے زائد ہو۔

اللہ کے نزدیک انسانوں کا یہ فعل اتنا پسندیدہ ہے کہ اس نے اسے خود کو قرض دینے کے مترادف قرار دیا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۲/۲۴۵)

کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔

انفاق کے قرآن مجید میں متعدد فوائد گنوائے گئے ہیں مثلاً انفاق کی شکل میں جو رقم اللہ کی راہ میں دی جاتی ہے کم از کم اس رقم کی واپسی کی ضمانت خود قرآن مجید دی گئی ہے (۲/۲۷۲)، بعض مقامات پر دوگنی رقم کی واپسی کا کہا گیا ہے (۵۷/۱۱) اور ایک مقام پر سات سو گنا سے بھی زائد کی واپسی کی ضمانت دی گئی ہے (۲/۲۶۱)، قرآن اسے ایک ایسی تجارت کے مثل قرار دیتا ہے جو کبھی تباہ نہیں ہوگی (۳۵/۲۹)، اس کے نتیجے میں انسان کو معزز رزق حاصل ہوتا ہے، روز قیامت مدارج بڑھتے ہیں اور بخشش ہو سکتی ہے (۸/۴)، یہ اللہ کی قربت اور رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے (۹/۹۹)، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اعلیٰ، معزز اور بزرگ تر بدلے کا وعدہ کرتا ہے (۹/۱۲۱) (۵۷/۱۱)، (۷۳/۳۰)، اس کے نتیجے

Marfat.com

میں انسان بہتر نتائج حاصل کرتا ہے (۳۴/۳۹)، یہ انسان کو خوف وحزن سے محفوظ رکھتا ہے (۲/۲۶۲)، یہ کامل نیکی کے حصول کی راہ ہے (۳/۹۲)، اس سے زندگی کی ناہمواریاں دور ہوتی ہیں (۵/۱۲)، اللہ کی رضا کے حصول اور با مراد ہونے کے لئے یہ لازمی ہے (۳۰/۳۸)، اس سے راہ آسان ہو جاتی ہے (۷-۹۲/۵)، عاقبت کے بہترین گھر کا حصول اس سے ممکن ہے۔ (۱۳/۲۲)، دردناک عذاب سے بچنے کے لئے یہ لازمی ہے (۱۱-۶۱/۱۰)، اجتماعی بقا کا انحصار اسی پر ہے (۴۷/۳۸) ان تمام فوائد کیساتھ انفاق انسانی نفس کے لئے بھی بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ (۲/۲۷۲)

اے رسول انہیں راہ پر لانا تیرا کام نہیں اور جو چاہے (اللہ کے قانون مشیت کے مطابق) سیدھی راہ کا انتخاب کر لے اور جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہارے نفوس کے لئے ہی خیر کا سبب ہوگا اور جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا واپس مل جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح سورۃ التغابن میں فرمان الٰہی ہے:-

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۶۴/۱۶)

پس اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اپنے مال اس کی راہ میں خرچ کرتے رہو یہ تمہارے نفوس کے لئے خیر کا سبب ہوگا اور جو لوگ دل کے بُخل سے بچائے جاتے ہیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔

توجہ طلب امر یہ ہے کہ متذکرہ بالا دونوں آیات کریمہ (۲/۲۷۲) اور (۶۴/۱۶) میں انفاق کے عمل کو انسانی نفس کے لئے باعثِ خیر قرار دیا گیا ہے۔ خیر کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان معنوں میں شرف، برتری، فضیلت و کرم بھی شامل ہیں۔ اس حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انفاق کے ذریعے نفس کو دیگر نفوس کے مقابلے میں شرف و برتری حاصل ہو جاتی ہے یا فضیلت و ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں خیر کا لفظ ادنیٰ کے مقابلے میں بہتر (۲/۱۰۶)، ضرر کے مقابل (۶/۱۷)، فتنہ کے مقابل (۲۲/۱۱)، شر کے مقابل (۲/۲۱۶)، ہر اچھی بات یا اچھے عمل کے لئے (۱۶/۷۶)، دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی خوشگواریوں اور خوشحالیوں کے لیئے (۱۶/۳۰) میں آیا ہے۔ ان معنوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ انفاق کے نتیجے میں نفس کو نہ صرف یہ کہ دیگر نفوس کے مقابلے میں سبقت حاصل ہو جاتی ہے بلکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام خوشگواریاں بھی حاصل کر لیتا ہے۔

۲۔ ہدایت سے نفس کو فائدہ ہوتا ہے

نفس کی نشوونما اور ترقی کا پہلا اور آخری راستہ راہ حق ہے صرف اس راہ کو اختیار کر کے ہی نفس کو ہدایت حاصل ہو سکتی ہے ایسی ہدایت جو اسے کامیابی کی راہ پر لے جاتی ہے۔ اس سے ہدایت کا ماخذ قرآن مجید فرقان حمید ہے۔ صرف قرآن کی راہ ہی راہِ ہدایت ہے کیونکہ خود قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ ہدایت صرف وحی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

Marfat.com

إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط

بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ (۲/۱۲۰)

اس آیہ کریمہ سے واضح طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہدایت صرف وہی ہے جو اللہ نے اپنے بندے اور آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی جو قرآن مجید کی شکل میں تا قیامت محفوظ ہے۔ اور قرآن مجید ہی کی بتائی ہوئی راہ سے نفوس کو ہدایت مل سکتی ہے اس کے علاوہ نہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ (۱۰/۱۰۸)

کہہ دو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اس ہدایت سے اپنے نفس کا بھلا کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں۔

یہاں واضح طور پر قرآن مجید کو حق قرار دیا گیا ہے اور اسے ہی منبع ہدایت قرار دیا گیا ہے قرآن مجید کے علاوہ کسی ذریعہ ہدایت کا کوئی تذکرہ پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے لہٰذا صرف قرآن ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔

ہدایت کا مادہ ھ دی ہے جس کے بنیادی معنی ہیں نمایاں، روشن ہونا، آگے ہونا کے ہیں تاہم اس کے معنی میں ہدیہ اور تحفہ بھیجنا بھی شامل ہیں۔ اس کے معنی میں رہ نمائی کرنا واضح کرنا بھی شامل ہیں۔ ہدایت صرف اور صرف اللہ کی جانب سے ممکن ہے۔

Marfat.com

إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۔ (۲/۱۲۰)

بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔

اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض ضلالت اور خسارہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ (۲/۱۶)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت نے ہی کچھ نفع دیا اور نہ انہیں ہدایت نصیب ہوئی۔

یہی واحد راہ ہے جو راہ مستقیم ہے کیونکہ سیدھی راہ صرف اللہ دکھا سکتا ہے اور کوئی نہیں صرف اس راہ کا انجام کامیابی اور نعمتوں کا حصول ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ (۱/۱ - ۴)

ہم تیری ہی اطاعت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔

یہ راہ ایک خود اختیار کردہ راہ ہوتی ہے جو لوگ اس راہ کو اختیار کرنا چاہیں وہ اپنے نفوس کو بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو اس راہ پر نہ چلنا چاہیں ضلالت اور گمراہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ جو لوگ اس راہ پر چلنے کے خواہش مند ہوں انہیں متقین کہا جاتا ہے اور قرآن انہی لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲/۲)

اس کتاب (قرآن مجید) میں کوئی شک نہیں یہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے رہنمائی ہے۔

جو چاہے اس کتاب سے رہنمائی لے لے اور جو چاہے انکار کر دے اگر ہدایت حاصل کی جاتی ہے تو اس کا مثبت اثر انسانی نفس پر ہوگا اور اگر انکار کر کے گمراہی خریدی جائے تو اس کا منفی اثر نفس پر ہوگا یہ سیدھا سادا بنیادی کلیہ ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ (۱۷/۱۵)

جو شخص ہدایت کی راہ اختیار کرتا ہے تو اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے اس کا ضرر بھی اسی کو ہوگا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا مطلب ان منجملہ تمام اصول وضوابط واحکام کی پابندی ہے جن کا مطالبہ قرآن انسانوں سے کرتا ہے۔ ان احکام کی کلیتًا پابندی سے ہی نفوس کو ہدایت مل سکتی ہے اور دنیاوی اور اخروی نعمتوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعادہ (۲۷/۹۲) اور (۳۹/۴۱) میں بھی کیا گیا ہے۔

۳۔ شکر سے بھی نفس کو فائدہ پہنچتا ہے

ازروئے قرآن نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے بھی نفس کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (۲۷/۴۰)

اور جو شکر ادا کرتا ہے تو اپنے نفس کے لئے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب غنی اور کرم کرنے والا ہے۔

اس حقیقت کا اعادہ سورۃ لقمان میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (۳۱/۱۲)

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی نفس کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد ہے۔

۴۔ پاکیزگی اختیار کرنا

سورۃ الفاطر میں ارشاد خداوندی ہے

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ (۳۵/۱۸)

جو تزکیہ کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لئے تزکیہ کرتا ہے۔

اس آیت میں استعمال کیئے جانیوالے لفظ تزکی کا مادہ زک و ہے جس کے معنی پھلنا، پھولنا، نشوونما پانا، نیک اور برگزیدہ ہونا، آسودہ حال اور صاف ستھرا ہونا اور پاکیزہ ہونا ہیں۔ اس کے معنی خیر و خوبی کے ساتھ بڑھنے، بالیدگی اور ارتقاء کے بھی ہیں۔ سورۃ الشمس میں زکہٰا کے مقابلے میں دسّھا کا لفظ آیا ہے۔ (۹۱/۹-۱۰) دسّھا کے معنی ہیں کسی کی نشوونما اور بالیدگی

کوروک دینا، دبا دینا اس کے برخلاف زکہا کے معنی ہوں گے نشوونما، بالیدگی، ترقی دینا۔ اس بنیاد پر تزکیہ نفس سے مراد نفس کو شرک اور فواحش کی آلودگیوں سے پاک کر کے اسے نشوونما اور ترقی دینا۔ جو شخص بھی اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ کسی قسم کا ظلم نہ کرے اور ان تمام افعال بد سے دور رہے جن کی ممانعت قرآن کریم میں کی گئی ہے صرف اسی صورت میں اس کا نفس پاک ہوسکتا ہے۔

اقوام کے نفس اجتماعی کی حیات وموت

جس طرح انفرادی سطح پر افراد کے نفوس کی حیات وموت کا تعین ان کے ذرائع رزق سے ہوتا ہے اسی طرح اجتماعی طور پر بھی اقوام کی موت وحیات کا انحصار ان کے اجتماعی نفس کی حیات وموت پر ہوتا ہے اور اجتماعی نفس کی موت وحیات کا انحصار پھر ان ذرائع رزق اور نعمتوں کے استعمال کے طریقے پر ہوتا ہے جو اس قوم کو اللہ تعالیٰ کی جانب عطا کی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے بنیادی اصول یہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط

(۱۳/۱۱)

اللہ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے نفوس میں تبدیلی نہ لائے۔

گویا اس حوالے سے سیدھا سادا قانون یہ ہے کہ وہ افراد جن پر اقوام مشتمل ہوتی ہیں وہ پہلے اپنے نفوس کو تبدیل کریں گے یعنی اپنے نفوس کی اصلاح کریں گے تو اللہ ان کی حالت تبدیل کرے گا یہاں اللہ کے تبدیل کرنے سے مراد اس کے وہ قوانین ہیں جو قوم کی اس اختیار شدہ تقدیر کے حوالے سے خود بخود منطبق ہو جائیں گے اور قوم کو قعر معذلت سے اٹھ

Marfat.com

کراوج ثریا پر لے جائیں گے لیکن شرط یہی ہے کہ پہلے قوم کے افراد خود اپنے نفوس کی فکر کریں، اس کی اصلاح کریں اور حیاتِ نو کا سامان کریں باقی کام خود بخود اللہ کے متعین کردہ قوانین کی مدد سے ہوتا چلا جائے گا۔

جہاں تک اقوام کا تعلق ہے ظاہر ہے وہ افراد سے مل کر بنتی ہیں جو کلیہ افراد کے نفس کی حیات وموت کے لئے ہے وہی اقوام کے لئے بھی ہے۔ وہ تمام افعال جن سے نفس کو حیات ملتی ہے بالخصوص حصول رزق حلال، وہ افعال جن سے نفس کو تقویت ملتی ہے مثلاً انفاق، ہدایت کی قبولیابی، شکرانِ نعمت اور استغفار وغیرہ اقوام جب ان افعال کی راہ پر چل پڑتی ہیں تو ان کے نفوس خود بخود تبدیلِ ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور قومیں بلندیوں کی راہ پر چلنا شروع ہو جاتی ہیں اور اگر وہ ایسا نہیں کرتیں اور برعکس صورت میں ان افعال پر کاربند رہتی ہیں جن سے نفس کو ضُعف پہنچتا ہو تو ظاہر ہے ان کا ٹھکانہ قعرِ معذلت ہی ہوتا ہے۔ لہذا قوموں کے عروج وزوال کا یہ سادہ سا قانون ہے جو قوم بھی اس پر عمل کرے گی وہ عروج حاصل کر لے گی جو اسے نظر انداز کرے گی وہ خس وخاشاک ہو جائے گی۔

اس حوالے سے یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ جب کسی قوم کو اس طرح سے کوئی نعمت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ اپنی مشیت سے طے شدہ قانون کے تحت اس قوم سے وہ نعمت بھی واپس نہیں لیتا تاوقتیکہ وہ قوم پھر اپنے نفوس میں تبدیلی پیدا کر کے خود ہی اپنے آپ کو اس نعمت کے لئے نااہل قرار نہ دے لے۔

Marfat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ
حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(۸/۵۳)

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو اس نعمت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم اپنے نفوس کو تبدیل نہ کرے اور اللہ یقیناً بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔

جہاں تک نعمت کا تعلق ہے یہ عربی کا وسیع المعانی لفظ ہے اس سے مراد مسرت، مال و دولت، آسودگی و خوشحالی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو کسی بھی نوعیت کی کسی بھی نعمت سے سرفراز کرتا ہے تو اپنی مشیت سے طے شدہ قانون کے مطابق اس نعمت کو اس قوم سے اس وقت تک واپس نہیں لیتا جب تک وہ قوم خود اس نعمت کی اہل نہ رہے۔ کوئی قوم نعمتوں کی اہل اس وقت نہیں رہتی جب ان کے نفوس مردہ ہونا شروع ہو جائیں اور نفوس بخل، افعال بد، اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑنے اور اللہ کی نافرمانی سے ضُعف کا شکار ہوتے ہیں اور باطل کمائی سے مکمل ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لہذا جب کوئی قوم ان افعال کی راہ پر چل نکلے تو اس کے نفوس مردہ ہو جاتے ہیں اور جو نعمت اس قوم کو اللہ نے دی ہوتی ہے وہ اس سے چھین لی جاتی ہے کیونکہ ظاہر ہے نعمتیں زندہ لوگوں کو دی جاتی ہیں مُردوں کو نہیں۔ مُردے کسی نعمت کے حقدار نہیں ہوتے۔ تاہم اگر وہ قوم پھر اپنے نفوس کو تبدیل کرے تو پھر وہ نعمتوں کی حقدار ہو جاتی ہے۔

اس کی سادہ سی مثال سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال سے دی ہے۔

Marfat.com

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ
فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (۱۶/۱۱۲-۱۱۳)

اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ہر طرح امن وچین سے تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انہیں ان کے اعمال کے سبب بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ اور ان کے پاس خود انہی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ان کو عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔

ان آیات میں ایک توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ ان آیات مبارکہ میں کسی خاص مسلم، عیسائی، یہودی بستی کا تذکرہ نہیں ہے۔ ایک عمومی صورت حال ہے لہٰذا ان آیات سے جو نتائج مستنبط ہوں گے وہ عمومی نوعیت کے ہوں گے اور کسی بھی بستی / قوم پر قابل اطلاق ہوں گے۔ ان آیات کی رو سے یہ ایک ایسی بستی تھی جو ہر طرف سے مطمئن وخوش تھی رزق باافراط دستیاب تھا لیکن اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی بالفاظِ دیگر وہ تمام افعال انجام دینا شروع کر دیئے جن سے ان کے نفس کمزور سے کمزور تر اور بالخصوص ہلاکت پر پہنچ گئے نتیجے کے طور پر کلی تباہی ان کا مقدر بن گئی۔ تاہم یہ سب کچھ خود ان کے اپنے افعال کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے ظلم کیا اور نتیجتاً برباد ہو گئے۔ لہٰذا نفوس کی بربادی اجتماعی تباہی کے مترادف ہے اسی وجہ سے متذکرہ بالا آیات سے بالکل متصل اگلی آیت میں

مسلمانوں کو اس طرزِ عمل سے اجتناب برتنے، اللہ کی اطاعت اور شکر گذاری کے لئے کہا گیا ہے تا کہ ان کے نفوس برباد نہ ہوں اور وہ اس بستی جیسی تباہی سے دوچار نہ ہوں۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ن (۱۶/۱۱۴)

پس اللہ نے جو تم کو حلال طیب رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اسی کی اطاعت کرو۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر اللہ کی نعمتوں کے شکران اور اللہ کے قوانین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تا کہ مسلمان تباہی سے محفوظ رہیں۔

مجموعی طور پر اس بحث کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ نفس (امارہ) اور شیطان مل کر انسان کو گمراہ کرتے ہیں لیکن اگر انسان خود بہکنا نہ چاہے تو ان کے حربے با آسانی ناکام بنا سکتا ہے۔ تاہم اگر فطری کمزوریوں کی وجہ سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے یا مسلسل اعمال بد سے نوبت نفس کی ہلاکت تک جا پہنچتی ہے تو بھی نفس کی حیاتِ نو کے دروازے اللہ نے بند نہیں کیئے وہ غفور و رحیم ہے، وہ بار بار رحم کرنے والا ہے۔ مختلف اعمال صالح جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے ان سے نفس کی حیات نو کے امکانات ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور یہ کلیہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر یکساں ہے۔

Marfat.com

قاری حافظ محمد زمان قادری رضوی

کلاس رجسٹرار منظور شدہ حکومت سندھ

پتہ
کچھی میمن بلڈنگ فلیٹ نمبر ۱
مارکیٹ کراچی۔

حافظ محمد زمان قادری

تصدیق نامہ

میں قاری حافظ محمد زمان قادری رضوی نے قرآن کا ... کی پروف ریڈنگ کی ہے اسلامک بک سنٹر کراچی۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ اغلاط سے پاک ہے۔ انشاء اللہ

قاری حافظ محمد زمان قادری رضوی
آرٹسٹ
پروف ریڈر

Marfat.com

مصنف کی شائع شدہ کتابیں

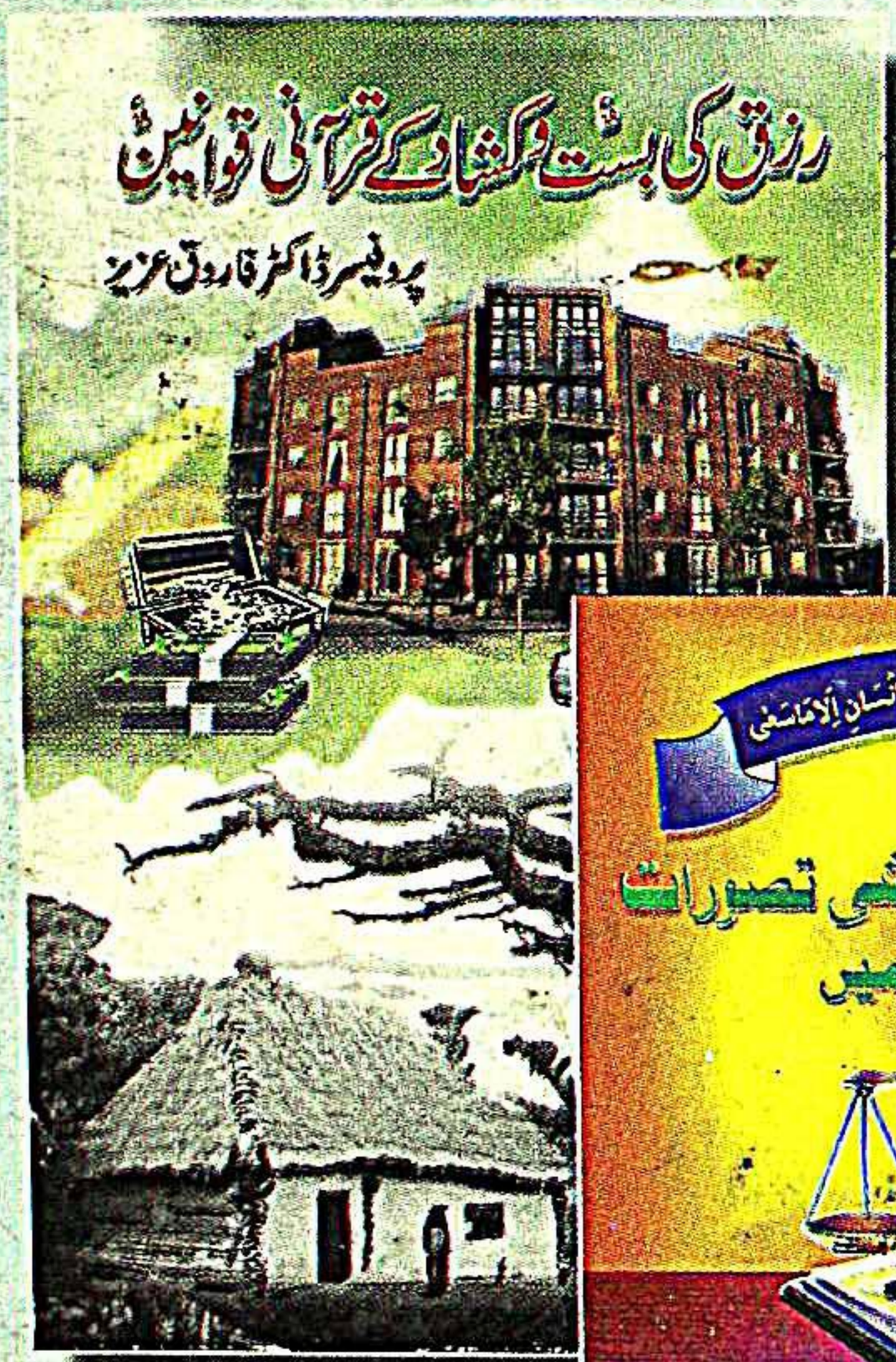

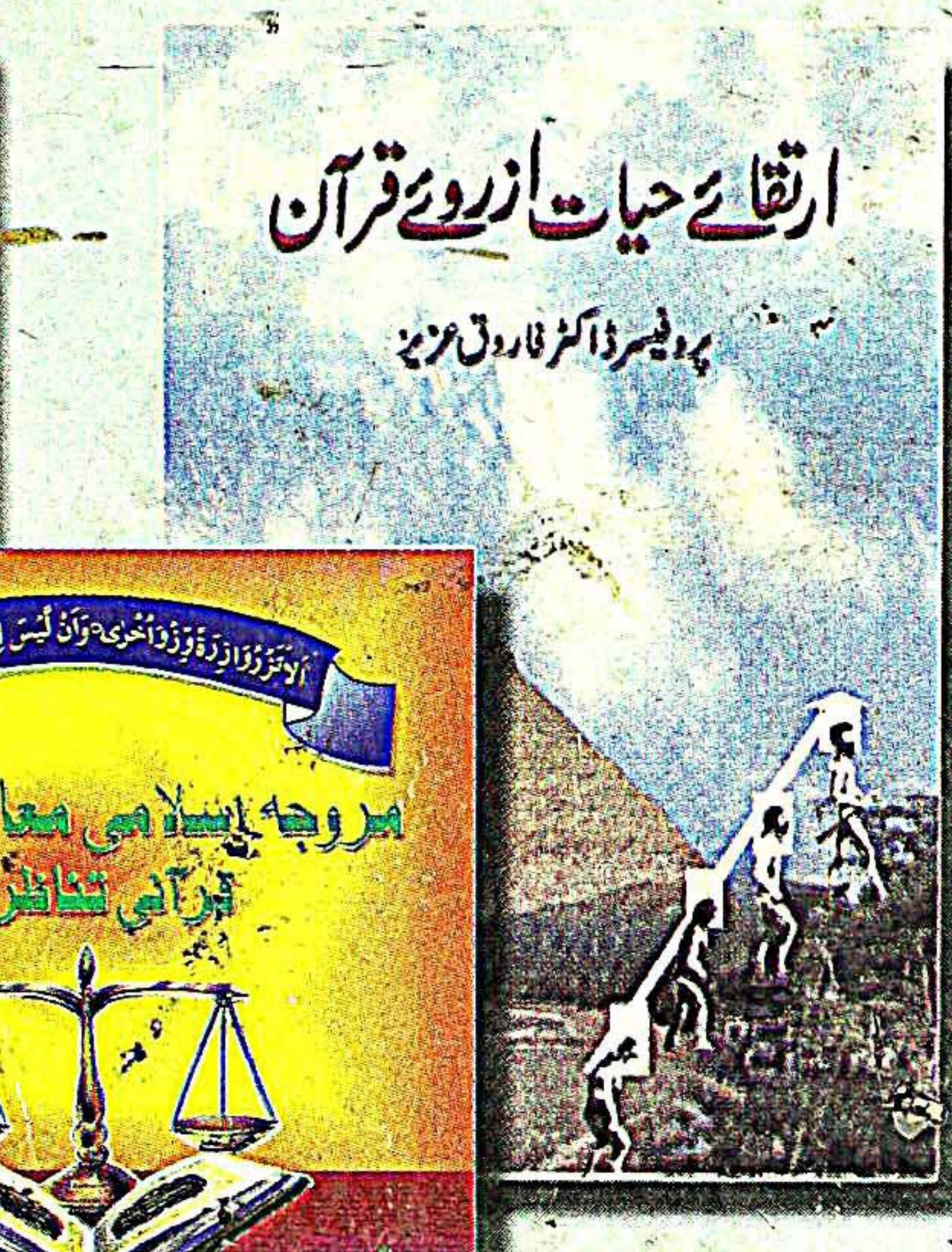

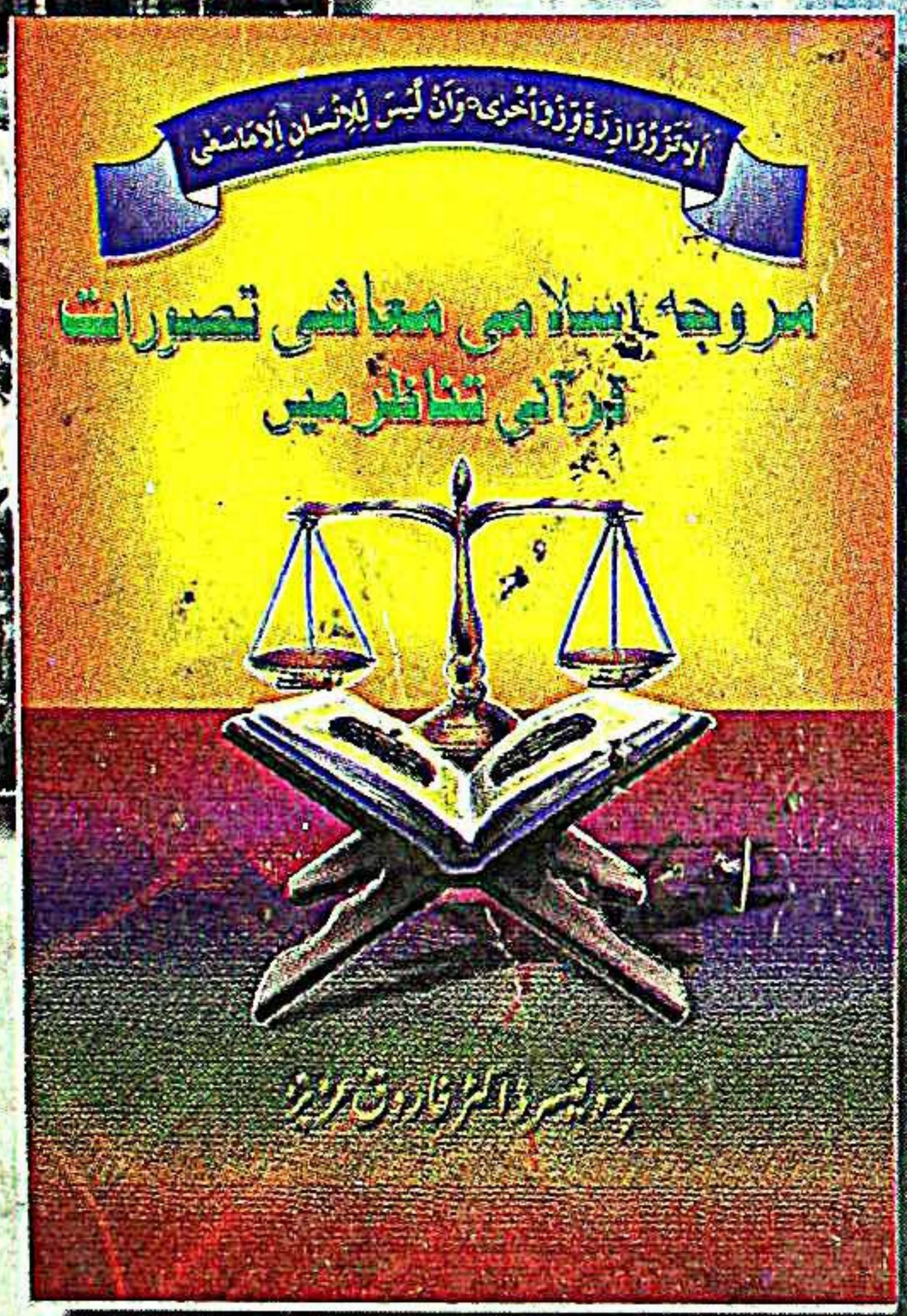

مصنف کی وہ کتابیں جو انشاء اللہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہونے والی ہیں

چند مخصوص قرآنی اصطلاحات

قوموں کے عروج و زوال کے

قیامت ازروئے قرآن

297.07 ف 19 ق
72724-U-67*

سلامک بک سینٹر

Marfat.com

قرآن کا تصورِ نفس

پروفیسر ڈاکٹر فاروق عزیز